مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران: حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر: 630340 ، 630435 -(0923)

E-Mail : haqqania@psh.infolink.net.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے، بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

راشد الحق سمیع حقانی

امریکہ اور برطانیہ کی عراق پر ننگی جارحیت اقوام متحدہ اور عالم اسلام کی بے حمیتی

عالم اسلام ابھی افغانستان اور سوڈان کے زخموں کا مداوا بھی کر نہ پایا تھا اور ابھی شہیدوں اور زخمیوں کی آہوں اور سسکیوں کی بازگشت بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک بار پھر امریکہ اور اسکے پٹھو برطانیہ نے عراق پر حسب سابق تمام انسانی اور اخلاقی قدروں کو پامال کر کے رات کے اندھیرے میں شب خون مارا۔ اور پھر اسکے بعد حملوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ دارالحکومت بغداد کے علاوہ دیگر کئی شہروں پر ہزاروں کی تعداد میں انتہائی مہلک قسم کے وزنی بم گرائے گئے اور صرف چار دنوں میں پانچ سو کروز میزائل عراق پر داغے گئے۔ حقیقت میں عراق پر یہ حملے کسی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی بناء پر نہیں کیے گئے بلکہ زانی، جھوٹے اور بدکردار امریکی صدر بل کلنٹن نے کانگرس میں اپنے مواخذے اور سیاہ جرموں پر پردہ ڈالنے کیلئے عراقی مسلمانوں کو بھون ڈالا۔ تاکہ کانگرس اور امریکی عوام کلنٹن کا مواخذہ جنگ کی حالت میں نہ کر سکیں، کیونکہ امریکی قانون کے مطابق حالت جنگ میں سربراہ مملکت کے خلاف ہر قسم کی کاروائی روک دی جاتی ہے۔ لیکن صدر کلنٹن کو یہ جارحیت مواخذے سے بچا نہ سکی۔ عراق، سوڈان اور افغانستان کے مسلمانوں پر یہ عذاب ایک فاحشہ یہودن مونیکا کے ہاتھوں نازل ہوا۔ اسی سیکس سکنڈل کی رسوائی کی وجہ سے صدر کلنٹن دیوانہ اور حواس باختہ ہو گیا ہے۔ اور اس کا سارا نزلہ اور غصہ مسلمانوں پر اُتر رہا ہے۔ آج اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی تنظیمیں اس ظلم عظیم پر کیوں گنگ ہو گئی ہیں؟۔ ایک فاحشہ کی جنبش آبرو پر قوموں اور ملکوں کو ملیامیٹ کیا جا رہا ہے اور پوری دنیا اس کا تماشا کر رہی ہے۔ 16 نومبر کی رات کو عراق پر دوبارہ آہن و بارود کا طوفان مسلط کر دیا گیا۔ ہزاروں بے گناہ عراقی شہید کر دیے گئے۔ ہسپتال، سکولز، بڑے بڑے فلاحی مراکز، پٹرول اور دیگر اشیاء کی فیکٹریاں تباہ کر دی گئیں۔

ائیر پورٹس ، شہر کی بڑی بڑی شاہراہیں ، غلے کے گودام اور فوج کے کئی اہم یونٹس کو زبردست نقصان پہنچایا گیا۔ آگ و خون کا یہ کھیل اقوام متحدہ اور "عالمی امن" کے تحفظ کے نام پر کیا گیا۔ صدر کلنٹن اور اسکے حواری برطانیہ نے پوری دنیا کو الو بنانا چاہا لیکن عالم اسلام سمیت تمام مہذب دنیا اور بڑی قوتوں مثلاً روس ، چین ، فرانس ، جرمنی ، اٹلی ، افغانستان ، ایران ، پاکستان وغیرہ نے امریکہ اور برطانیہ کی اس ننگی جارحیت کی بھرپور مخالفت کی۔ اور اسے بدترین غنڈہ گردی قرار دیا۔ روسی پارلیمنٹ (ڈوما) اور سینٹ آف پاکستان نے امریکہ کو عالمی دہشت گرد قرار دیا۔ جو ایک بڑی بات ہے۔ امریکہ نے جارحیت سے قبل اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل سے پوچھا تک نہیں اور سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ اس ظلم پر خاموش ہیں۔ اب اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کوفی عنان کو بھی اخلاقاً مستعفی ہو جانا چاہئے۔ دراصل اقوام متحدہ ایک نقاب ہے جسکی آڑ میں امریکہ بد معاش دنیا بھر میں دہشت گردی کرتا پھر رہا ہے۔ اس جارحیت اور دہشت گردی پر آج پوری دنیا اور خصوصاً بڑی اقوام مثلاً چین ، روس ، فرانس ، جرمن اور مسلم امہ کو امریکہ کے حالیہ جارحانہ اقدامات پر خوب سوچ وبچار کرنا چاہیئے۔ کہ اگر ساری دنیا کی تھانیداری امریکہ کے حوالہ کر دی جائے اور اسکے آگے کوئی مزاحمت نہ کی جائے تو چھوٹی اقوام اور خود دار ممالک کا تو خدا ہی حافظ ہے۔ پھر تو اقوام متحدہ کے ادارہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیا ہم سب انسان اور مہذب دنیا آج کے جمہوری دور میں بھی استعماری قوتوں کا شکار رہینگے ؟ اور کیا ہم آئندہ اکیسویں صدی میں امریکی نیو ورلڈ آرڈر اور اسکی بالادستی کے نیچے محکوم بن کر داخل ہونگے ؟ کیا آج کلنٹن ہٹلر کی تاریخ نہیں دہرا رہا کہ صرف چند ماہ میں تین مسلم ممالک پر اس نے متعدد حملے کیے اور ہزاروں افراد کو خون میں نہلا دیا ۔ صدر کلنٹن نے اس ننگی جارحیت سے کئی فائدے اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ (۱) پوری دنیا پر اپنی بد معاشی اور دبدبہ قائم رکھنا (۲) امریکہ کے داخلی خلفشار اور سیکس سکنڈل کے مواخذے سے گلوخلاصی کی کوشش (۳) خلیج میں اپنے مزید قیام کا جواز فراہم کرنا (۴) عرب ملکوں اور خلیج کی اقتصادیات پر مکمل قبضہ کرنا (۵) پاکستان کو بھی اس حملے سے یہ تاثر دینا کہ اگر عراق کے معمولی ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے شک کی بنا پر اسکا یہ حال کیا جاسکتا ہے تو پاکستان جو واحد اسلامی ایٹمی

ملک ہے اس کو بھی سی ٹی بی ٹی وغیرہ کے معاہدوں پر دستخط نہ کرنے کی صورت میں یہ سزا دی جاسکتی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو مارا بھی جارہا ہے اور یہ سب سے زیادہ مظلوم بھی ہیں اگر یہ امریکی مظالم کے خلاف کسی قسم کا احتجاج یا اپنی آزادی کیلئے جدوجہد کرنا چاہیں تو الٹا انہی پر دہشت گردی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے　　گھٹ کہ مر جاؤں یہ مرضی میرے صیاد کی ہے

امریکہ اور اقوام متحدہ کا دوہرا معیار ہے۔ مسلم ممالک کے لئے الگ پیمانے اور میزان ہیں جبکہ عالم عیسائیت ، یہودیت اور دیگر مذاہب کیلئے الگ قوانین ۔ اسرائیل جس نے ہمیشہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی بھرپور مخالفت اور خلاف ورزی کی ہے اور فلسطینیوں کے خلاف کھلم کھلا دہشت گردی کررہا ہے۔ اور پھر حال ہی میں کلنٹن کی سرپرستی میں میری لینڈ معاہدے کے باوجود ضمانتوں اور شرائط سے انحراف کررہا ہے بلکہ اب تو اسرائیلی کابینہ نے میری لینڈ معاہدہ پر عمل درآمد معطل کردیا ہے۔ امریکہ اس پر کیوں پابندیاں اور حملے نہیں کرتا؟ پھر سرب درندوں کو جنہوں نے بوسنیا اور کوسوو کے مسلمانوں کا وہ قتل عام کیا ہے کہ تاریخ یورپ میں اسکی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ اس پر نیٹو اور امریکہ کی بار بار وارننگ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ ہی ان پر کوئی حملہ کیا گیا۔ ابھی حال ہی میں عالمی مبصرین کی موجودگی میں درجنوں البانوی مسلم خواتین اور بوڑھوں کو شہید کیا گیا۔ اس پر یہ نام نہاد امن کے ٹھیکیدار کیوں خاموش ہیں ؟۔

ہم نے کئی مرتبہ ان ادارتی صفحات میں امریکہ اور مغربی ممالک کی عالم اسلام کے خلاف بڑھتی ہوئی جارحیت کو نئی صلیبی جنگوں کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔ دراصل امریکہ ، برطانیہ بار بار مسلمانوں اور بالخصوص ان کے حکمرانوں کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ ان کے زوربازو میں وہ پرانا دم خم باقی ہے یا نہیں ؟ لیکن افسوس ملی حمیت اور قومی غیرت جیسی قیمتی متاع کو مسلم حکمرانوں نے امریکی غلامی کے عوض دفن کردیا ہے۔ اب اس کا ذکر صرف تاریخ کی پرانی کتابوں میں ملتا ہے۔ اور جس پر اب صدیوں کی گرد بھی بیٹھ چکی ہے۔　ع　مسلمانی در کتاب و مسلمانان در گور

مسلم ممالک کے بے غیرت ، بے حمیت ، بے حیاء امریکی دلالوں ، مغربی نگار خانہ کے کنجروں ،

استعمار کے گماشتوں اور ملی حمیت کے سوداگر مسلم حکمرانوں نے اس ظلم عظیم پر خاموشی اور بے غیرتی کا جو شرمناک کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ عالم کا ایک سیاہ باب بن چکا ہے۔ ان مسلم حکمرانوں سے روس جیسا کافر ملک اس سلسلہ میں اچھا ثابت ہوا۔ جس نے باوجود معاشی بدحالی اور غربت وافلاس کے اپنے اچھے اور نئے تعلقات کی پروا نہ کرتے ہوئے واشنگٹن اور لنڈن سے نہ صرف اپنے سفیر واپس بلا لیے بلکہ اپنی فوجوں کو بھی جوابی کاروائی کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ حالانکہ اس غیرت کا مظاہرہ مسلم ممالک سے متوقع تھا۔ لیکن اس کے برعکس عرب ممالک نے اپنے ہوائی اڈوں اور اپنی سمندری حدود میں کھڑے امریکی جہازوں سے اپنے مسلم عرب بھائیوں کی ہلاکت کا ہر طرح کا سامان امریکہ اور برطانیہ کو فراہم کیا۔

ع چوں کفر از کعبہ ببر خیزد کجا ماند مسلمانی

ایک دیوانے صدام کیلئے پوری عراقی قوم کو جہنم میں پھینکنا کہاں کی دانائی ہے ؟ اور اپنی ساری جمع پونجی تیل ومعدنایت کے ذخائر کو امریکہ کے ہاتھ گروی رکھ دینا کہاں کی فراست ہے ؟ یہاں تک کہ حرمین اور کعبہ کو یہود ونصاریٰ کی ناجائز اولاد کے پاس رہن رکھ دیا گیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ بہادر عرب اپنی عجمی بہنوں کی پکار اور مدد کیلئے تڑپ کر صوبہ سندھ تک پہنچ جاتے۔ اور اسی وجہ سے آج سندھ باب الاسلام کہلایا جاتا ہے۔ اور اب یہ وقت آن پڑا ہے کہ خود عرب ہی امریکہ اور برطانیہ کے یہود ونصاریٰ کو بلا کر اپنے ہی ہم مذہب اور ہم نسل بھائیوں کی نسل کشی کا تماشا کر رہے ہیں۔

ظلم کی انتہاء یہ ہے کہ شہر مقدس رمضان المبارک میں بھی عراقی مسلمانوں پر سحری کے وقت بمباری کی جاتی رہی۔ ادھر عالم اسلام کے مسلمان خواب غفلت اور خوان نعمت کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اور اُدھر عراقی مسلمان جان بچانے کی ادویات اور خون کی تھیلیوں کی تلاش میں رل رہے تھے۔ یہ۔ عجیب منطق ہے کہ اپنے آپ کو اصول پسند، اخلاق وتہذیب سے آراستہ اور "مہذب ترین مخلوق" کہلانے والے امریکیوں اور انگریزوں نے مسلمانوں کے مقدس مذہبی مہینہ کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی اور پینٹاگون نے انتہائی ڈھٹائی اور بے حیائی سے اعلان کیا کہ عراق پر حملے رمضان

کے باوجود جاری رہینگے۔ اگر تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی" اشہر حرم "(یعنی چار مقدس مہینوں) میں جنگجو قبائل اپنی تمام لڑائیاں احتراماً روک دیتے۔ شاید آج کے مہذب "دور" سے وہ زمانہ جاہلیت ہی بہتر تھا۔ جسمیں کم سے کم مقدس ایام کا احترام تو کیا جاتا۔۔۔ آہ! مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی یادگار عروس البلاد بغداد کب تک جلتا رہے گا اور کیا یہ اسی طرح ہر دور کے نئے تاتاریوں، چنگیزیوں اور ہلاکو خانوں کیلئے تختہ مشق ستم بنا رہے گا؟۔۔۔

فریاد ہے اے مصلحت کاتب تقدیر — مسلم کا لہو دست یہودی کی حنا ہے
ہم آج ہیں تاریخ کے خود رحم و کرم پر — ہم وہ تھے کہ تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے
کب آئینگے اللہ کی نصرت کے فرشتے — ہر ٹوٹے ہوئے دل کی یہ غمناک صدا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناظم دارالعلوم مولانا گل رحمان صاحبؒ کا سانحہ ارتحال

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

بزم حقانیہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کی رحلت کے بعد ایک بار پھر صف ماتم بچھ گئی جب دارالعلوم کے نہایت ہی پرانے اور حد درجہ مخلص و مہربان ناظم اور قدیم فاضل مولانا گل رحمٰن صاحبؒ طویل علالت کے بعد بروز جمعہ ۱۸ دسمبر کو انتقال فرماگئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ مولانا کو اکوڑہ کے قریب ہی ان کے آبائی گاؤں پیر سباق میں قبل از نماز عصر سپرد خاک کردیا گیا۔ مرحومؒ کی نماز جنازہ حضرت مہتمم صاحب نے پڑھائی۔ دارالعلوم کے تمام اساتذہ و مشائخ وابستگان اور کثیر تعداد میں طلباء اور عوام نے شرکت کی۔ تدفین کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور دارالعلوم کیلئے آپ کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

مولانا مرحومؒ گذشتہ پچاس برسوں سے دارالعلوم کے ساتھ وابستہ رہے۔ ۴۸ء میں دارالعلوم سے آپ کی فراغت ہوئی۔ پھر دارالعلوم ہی میں تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف شعبوں میں مصروف کار رہے۔ اپنی امانت اور بے مثال دیانتداری کے باعث دارالعلوم کا شعبہ مالیات جیسا

اہم مرکزی شعبہ مولانا سلطان محمود صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ ہی نے سنبھالا اور پھر بیماری تک احسن طریقے سے یہ مشکل ترین کام انجام دیتے رہے یہاں تک کہ فالج کا پہلا حملہ بھی آپ پر دفتر اہتمام ہی میں ہوا۔ پھر تین سال تک آپؒ اسی موذی مرض میں مبتلا رہے باوجود بیماری اور انتہائی ضعف کے کسی نہ کسی صورت دارالعلوم تشریف لاتے رہے ابھی ایک ماہ قبل دارالعلوم کی تقریب دستاربندی پر آپ آخری بار تشریف لائے اور دفتر اہتمام میں کافی دیر بیٹھے رہے لیکن حسرت وافسوس سے ایک ایک چیز کو تکتے رہے۔ ع درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں چند مہمانوں کے ساتھ راقم نے جب آپ کا تعارف کرایا تو آپ زاروقطار رونے لگے کافی دیر آپ دفتر میں تشریف فرمارہے لیکن اس دوران برابر آپ پر گویہ کیفیت طاری رہی شاید انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ میری دارالعلوم میں آخری حاضری ہے اور پھر میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے علم وعرفان کی اس مجلس سے دور چلا جاؤنگا۔ اور شاید یہ میری دارالعلوم کے ساتھ الوداعی ملاقات ہو یقیناً اس دن آپ کا گریہ وزاری کرنا ایک طویل جدائی اور فراق کی تمہید تھی۔ آپ کا یہ درد وغم بجا تھا اس لیے کہ اسی گلشن علم وعرفان میں بچپن سے لیکر عہد شباب اور شباب سے لیکر بڑھاپے کی آخری منزل تک زندگی کے شام وسحر اسی مادر علمی کی اغوش میں بسر کیے۔ آپ کا حضرت شیخ الحدیثؒ بانی دارالعلوم حقانیہ کے ساتھ تعلق بہت ہی پرانا تھا۔ جب آپ چھوٹے تھے تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے ساتھ دارالعلوم دیوبند (انڈیا) تشریف لے گئے۔ وہاں پر آپ حضرتؒ کی خدمت بھی کرتے رہے اور چند درجوں کی کتابیں بھی دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ قیام پاکستان کے بعد آپ اپنے علاقے تشریف لائے اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے دورہ حدیث مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ اور یوں آپ دارالعلوم کے اولین اور متقدمین فضلاء میں شامل ہوگئے۔ اس کے بعد آپ ہمیشہ کیلئے دارالعلوم کے ہی ہوگئے۔ دارالعلوم کیلئے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ دارالعلوم حقانیہ کے گلشن کی آبیاری میں آپ کا خون جگر شامل ہے۔ آپ اس دور میں اخلاص ومحبت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔ دارالعلوم کے سارے اکابر اساتذہ اور بزرگ ایک ایک کر کے منزل آخرت تک پہنچ گئے لیکن ہمیں اپنے ان قدسی صفات بزرگوں کی کمی کا احساس ہر لحمہ محسوس ہو رہا ہے۔ ابھی

کل ہی کی بات ہے کہ دفتر اہتمام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی نورانی مجلس سے آراستہ ہوتا اور آپؒ کے جلو میں دار العلوم کے تمام بزرگ اساتذہ بھی جلوہ افروز ہوتے۔ حضرت شیخؒ کے پہلو میں مولانا گل رحمان صاحبؒ اپنے کام میں منہمک رہتے۔ اور بات بات پر آپؒ سے مشورہ طلب کرتے۔ یہ ایک ناقابل فراموش روحانی منظر ہوتا۔ علم و عرفان کی اس مجلس کو نجانے کس کی نظر لگ گئی کہ اچانک ہی وہ بساط نشاط الٹ گئی۔

ناظم صاحبؒ بھی اُس مبارک دور کی آخری یادگار اور اسی مجلس کے ایک روشن چراغ تھے۔ وہ بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ربوہ کے نام کی تبدیلی ایک مستحسن اقدام

قادیانی مذہب کی بنیاد ہی دجل و تلبیس، دھوکہ اور کذب بیانی پر رکھی گئی ہے۔ اس فتنہ نے ہمیشہ امت مسلمہ کو فریب دینے کی کوشش کی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ فتنہ قادیان (بھارت) سے پاکستان منتقل ہوا۔ تو انہوں نے چنیوٹ کے اطراف میں ایک علاقے چک ڈھگیاں پر قبضہ کر لیا۔ اور یہاں پر ایک جدید شہر تعمیر کر کے اس پر قرآن حکیم کی آیتوں سے ماخوذ مقدس لفظ "ربوہ" کا نام رکھا۔ تاکہ لوگوں کے ذھن میں اس کا تقدس جاگزیں ہو جائے لیکن فاتح ربوہ مولانا منظور احمد چنیوٹی اور تحریک تحفظ ختم نبوت نے اس سازش کے خلاف ہمیشہ بھرپور احتجاج کیا۔ بالآخر ان بزرگوں کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور ۶۔ نومبر ۹۸ء کو پنجاب اسمبلی نے مولانا منظور احمد چنیوٹی اور دیگر صوبائی اسمبلی کے ممبران کی تحریک پر ربوہ نام کی تبدیلی کی قرارداد منظور کی۔ اور اب اس کا نام (نواں) قادیان رکھا گیا ہے۔ ہم اس فیصلے پر پنجاب اسمبلی اور اس قرارداد کے محرکین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افادات : شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مرتب : حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

رمضان اللہ کی رحمتوں کا پیغام

محترم بزرگو! رمضان شریف کا مہینہ خوش قسمت لوگوں کے لئے رحمتوں اور مغفرت و بخشش کا پیغام تھا، اس پیغام کے مطابق جس نے مغفرت خداوندی حاصل کرنے کی سعی کی، اللہ تعالیٰ نے اسے کامیاب کردیا، اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ :

ع تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر۔ قسمت یاوری نہ کرے تو پیر اور استاد بہت کامل ہو تو کیا ہوتا ہے کہ ع خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

بدنصیب دریا کے کنارے سے بھی پیاسا آجاتا ہے، مسجد میں بیٹھ کر بھی نماز نہیں پڑھتا، ایسی سخت سردی میں بھی روزہ نہیں رکھتا، ایسے شخص کا تو سب کچھ لٹ گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے گھر میں ایمان اور علم کی دولت تقسیم ہوتی رہی اور آج چودہ سو برس بعد بھی خٹک قوم کی ان خشک اور ویران پہاڑوں میں بھی لاالہ الااللہ کی آواز بلند ہوتی ہے، یہ وہی آواز ہے جو حضور ﷺ نے بلند کی مگر جو بدقسمت تھا ابوجہل اور ابولہب حضور ﷺ کے گھر کی دیوار اور دروازے سے ملے ہوئے ہیں مگر محروم ہیں، ابولہب حضور ﷺ کے چچا ہیں ایک گھر ہے، بیچ میں چھوٹی سی دیوار حائل ہے۔ حضور ﷺ ایک مرتبہ بوجہ علالت تہجد کے لئے نہ اٹھ سکے تو ابولہب کی بیوی نے کہا کہ اب ان کا شیطان ان سے روٹھ گیا اس لیے وہ آج نہیں اٹھے۔ رحمت کا سمندر بہتا رہا، مگر بدقسمت محروم رہے۔ یہ کسی کی عقل اور سمجھ پر نہیں، علم اور قوت سے نہیں، اللہ کی رحمت اور اس کے کرم سے ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری حالت بہتر بنادے اور خاتمہ ایمان پر ہو۔

رمضان جیسا رحمتوں کا موج مارنے والا مہینہ آیا اور یہ نادم نہ ہوا۔ اس کی آنکھوں سے نہ آنسو بہے اس کا دل سخت ہے تو یہ علامت ہے شقاوت کی دوسری علامت یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے، باغ لگاتا ہے، بنگلہ، زمین، ٹھیکہ، وزارت اور صدارت کے منصوبے بناتا ہے، اس ادھیڑ بن میں رہتا ہے اور حضرت عزرائیلؑ آکر اسے گردن سے پکڑ لیتے ہیں۔ تیسری علامت بدبختی کی یہ ہے کہ اس کی حرص دن بدن بڑھنے لگ جاتی ہے۔ دنیا کی حرص اور محبت نے

ہی ہمیں تباہ کر دیا اور یہ دو چیزیں بے حد خطرناک ہیں۔ بہر تقدیر رمضان کے جتنے دن باقی ہیں انہیں غنیمت سمجھ لو، اب بھی موقع ہے، جب قیامت کے دن محروم اور غافل لوگ غم کے مارے اپنی انگلیاں کاٹیں گے۔"یوم یعض الظالم علی یدیہ"۔ تو روزہ دار قیامت کے دن عرش خداوندی کے سایہ میں اس کی نعمت سے مالا مال ہوگا اور حسرت کرنے والوں کو اس حسرت وارمان کا کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔ قیامت کے دن ہر شخص کو حسرت ہوگی۔ افسوس ہوگا کہ دنیا کی زندگی سے آخرت کیلئے کیوں زیادہ فائدہ نہ اٹھایا۔ اس لئے قیامت کو یوم الحسرۃ کہا گیا ہے۔ گنہگار اور مجرم حسرت کریں گے۔ اے کاش! پیغمبر کے راستہ پر کیوں نہ چلے، فرنگی کا راستہ کیوں اختیار کیا،، مگر نیکوکاروں کو بھی حسرت ہوگی کہ زیادہ نوافل زیادہ تلاوت اور زیادہ ختم قرآن کیوں نہ کئے۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ ۶۱ مرتبہ قرآن مجید پورے ختم کرتے۔

عشرہ آخرہ اور سحری کا وقت: آخری دس دنوں میں خصوصیت سے دو چیزوں کو ملحوظ رکھا جائے جن میں ایک اعتکاف ہے۔ جو اختیاری ہے اور ایک لیلۃ القدر ہے جس کی طلب اور تلاش کرنا ہے، اور طالب کا حکم بھی کسی چیز کے حاصل کرنے والے جیسا ہے کہ یہ بھی اللہ کے ہاں پانے والوں کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حالت یہ ہوتی کہ:

کان یوقظ اھلہ فی العشر الاواخر من رمضان و کل صغیرٍ و کبیر یطیق الصلوۃ۔ (او کما قال)

حضورؐ اس عشرہ آخیرہ میں اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے اور ہر بڑے چھوٹے کو بھی جو نماز پڑھنے کے قابل ہوتے۔ گویا سات آٹھ سال عمر کے بچوں کو بھی حضور ﷺ تہجد اور نماز کیلئے جگاتے۔

ہم سب سحری کیلئے جاگتے ہیں۔ بچوں کو کھلانے، پلانے کے لئے جگاتے ہیں، مگر شیطان ہمیں تہجد پڑھنے نہیں دیتا۔ ایسا قیمتی وقت بے پرواہی میں کھو دیتے ہیں۔ اگر ہم خود بھی دو رکعت پڑھ لیں اور بچوں کو بھی وضو کرائیں اور دو رکعت ان سے پڑھا لیں کہ عادت بن جائے تو کتنی خوش بختی ہوگی۔ اللہ اور بندہ کے درمیان سارے حجابات اس وقت اٹھا دئے جاتے ہیں مگر ہم کھانے پینے اور ہنسی مذاق میں سارا وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ کھانا پینا تو چند منٹ کا کام ہے۔ چند لقمے لے لو اور اس سنہری وقت سے فائدہ اٹھاؤ۔ حضور ﷺ کی حالت تو یہ تھی کہ وشدّ میزرہ گویا کمر بستہ ہو جاتے تھے

۔اور یہ ایک محاورہ ہے کہ کسی کام کے لئے کمر باندھ لی تو حضور ﷺ تو سال بھر عبادت کے لئے مستعد رہتے مگر ان دنوں تو بالکل جہاد جیسی حالت ہو جاتی۔لہذا چاہیئے کہ ان دنوں ہم بھی خاص طور سے اہل وعیال کو دین کی طرف راغب کریں۔ کھانا، پینا اور سونا بھی جائز ہے مگر اہم مقصد رغبت دین پیدا کرنا ہے۔

اعتکاف : حضور ﷺ ان ایام میں اعتکاف فرماتے : وکان یعتکف فی العشر الاواخر من رمضان۔اعتکاف کا معنی کسی چیز کو بند کرنا باندھ لینا اپنے آپ کو مقید اور محبوس کر لینا ہے۔اپنی درخواست عاجزانہ شکل میں منوانے کے لئے کسی کے در پر پڑ جانا کہ بارش ہو، دھوپ ہو، گرمی ،سردی ہو تیرے در کا غلام ہوں اس در پر پڑا رہوں گا جب تک میری درخواست قبول نہ ہو،نہ گھر جاؤں گا اور نہ کوئی دنیا کا کام کروں گا، روتا ہے، گڑگڑاتا ہے، اٹھتا نہیں دھرنا مار لیتا ہے۔ تو ایسی صورت میں تو سنگ دل سے سنگ دل حاکم بھی اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے تو یہاں تو اللہ جیسے رحیم وکریم آقا سے معاملہ ہے اور رمضان جیسا بابرکت مہینہ ہے کہ ہر رات اللہ کی طرف سے مجرموں کو بخشش کیلئے پکارا جاتا ہے۔کہ اے مجرمو!ذرا تو توجہ کرلو معاف کر دوں گا، بخش دوں گا۔

ذرا سا بہانہ بھی مغفرت کا بن جائے تو بخش دیتا ہے۔ہر رات اس کی آواز ہوتی ہے کہ اے خیر کے طلب کرنے والو!ذرا تو آگے بڑھو اور کچھ تو دست طلب بڑھادو، گناہوں سے توبہ کر لو،دل سے روؤ۔اگر آنکھوں میں نمی آجائے یااللہ رمضان کی حرمت سے مجھے معاف کر دے تو بخش دے گا۔وہ تو رمضان کی ہر رات دس لاکھ مجرم بخشتا ہے اور آخری رات تو مہینہ بھر کے مجرموں کے برابر۔۔۔ توجو اللہ کا بندہ گھر بار، جائیداد، دکان، سامان، بیوی، بچے سب کچھ چھوڑ کر مسجد میں قیدی کی طرح اعتکاف کی شکل میں مقید ہو گیا تو اس کی بخشش کیسے نہ ہو گی ؟۔

اعتکاف یہ ہے کہ ایک شخص پنجگانہ جماعت والی مسجد میں بیسویں رمضان کی شام کو بیٹھ جائے۔ اگر عورت ہو تو گھر میں نماز کیلئے جو کونہ مختص ہو اس میں بیٹھ جائے سوائے حاجات انسانی کے اپنی اس قیام گاہ سے نہ نکلے، اکثر وقت ذکر واذکار، تلاوت، نوافل اور نماز میں گذرے۔ یہ اعتکاف فرض کفایہ کی طرح سنت کفایہ ہے۔اگر محلّہ یا گاؤں میں کسی نے بھی نہ کیا تو سارا گاؤں یا محلّہ تارک

سنت ہوا، اور کسی نے ادا کیا تو خود بھی اجر و ثواب کا مستحق بنا اور سارے محلّہ کو بھی گناہ سے بچا کر احسان کیا۔ افسوس کہ ہم نے اعتکاف جیسی سنت کو عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا کر ترک کر دیا۔ لیکن کتنے لوگوں کو ہم نے دفنایا، اس وقت مردہ کو دیکھ کر ذرا تو سوچ لو کہ "بابا کہاں جارہے ہو، تمھیں فرصت نہ تھی، اب تو ہزاروں سال پڑے رہو گے۔ اب بھی فرصت ہے یا نہیں؟ یہ سب قبروں والے بڑے مصروف تھے کوئی کام نہیں چھوڑ سکتے تھے، مگر اب ان کی کیا حالت ہے۔ بھائیو! نہ دنیا ہماری وجہ سے آباد ہے نہ ویران ہے۔ قبر میں اکیلے خدا کے ساتھ معاملہ ہوگا، نئی دوستی تو اس وقت قائم نہیں ہوسکتی اور اگر دنیا میں قائم نہ کی تو ہکا بکا رہ جائے گا کہ یارب اب کیا کروں؟ تو معتکف سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مسجد کے کونہ میں بیٹھ گیا تو گویا قبر کی زندگی دنیا میں اختیار کی۔ محبت اور رابطہ اللہ سے قائم کیا، نہ مکان نہ دکان، نہ زمینداری کی فکر نہ دوست احباب کی۔ تو بعد از مرگ اللہ سے ایسی الفت اور ربط کام آئے گا۔ پھر اعتکاف کو فضیلت اتنی ہے کہ حدیث میں اس کا اجر دو حج اور دو عمروں کے برابر فرمایا گیا ہے۔ قانونی حج تو ہر مسلمان مستطیع پر فرض ہے مگر اسے اس عمل سے دو حج اور دو عمروں کا ثواب مل گیا۔

لیلۃ القدر : دوسری چیز آخری دس دنوں میں ہر رات خاص ذوق و شوق سے عبادت کرنا ہے جس میں لیلۃ القدر کا احتمال ہے جو طاق راتوں : ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ میں زیادہ محتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خیر من الف شہر کہا ہے۔ ہزاروں مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ پھر خیر کی بھی کوئی حد نہیں، گویا بے حد اور بے حساب بہتر ہے۔ اسّی (۸۰) سال کی عبادت پر بھاری ہے اور ان دس دنوں کے علاوہ رمضان کی ساری راتوں میں بھی لیلۃ القدر کا احتمال ہے۔ اگر کوئی اتنا باہمت نہ ہو کہ ہر رات شب خیزی میں گذارے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مغرب و عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھ لی تو لیلۃ القدر کا ایک حصہ اس نے بھی پالیا تو ان ایام میں تو یہ لازم کر لو کہ نماز باجماعت چھوٹنے نہ پائے۔ مغرب کی اذان اور افطار کے بعد نماز گھر میں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: لا صلوة لجار المسجد الا فی المسجد۔ مسجد کے پڑوسی کی فرض نماز صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ امام کے لئے بھی چاہیئے کہ رمضان میں اذان کے بعد قدرے

توقف کرے اور مقتدیوں پر مسجد پہنچنا لازم ہے۔ الغرض یہ دو چار گھنٹے بھی رات ہی کا حصہ ہیں تو خاص دعاؤں کا لحاظ رکھا جائے۔ رمضان میں تیسری چیز تہجد کو ملحوظ رکھنا ہے جس کا خاص اہتمام ہونا چاہئیے۔ اگر گالی گلوچ اور دیگر منہیات میں مشغول رہیں تو یہ روزہ کی ایک بدبودار لاش ہوگی۔ چاہئیے کہ اس میں "لعلکم تتقون" تقویٰ اور پرہیزگاری کی روح آجائے۔ صبح سے شام تک زبان کو قابو رکھو، برائی، حسد، بغض، کینہ، عناد ترک کردو۔ کسی کا حق نہ مارو، اپنی نظریں نیچی رکھو، اپنے کانوں کو فلمی گانوں سے قطعاً بچاتے رہو۔ اس لئے کہ نامحرم عورتوں کی آواز سننا حرام ہے۔ اپنے اعضاء وجوارح کو گناہوں سے بچاتے رہو۔ جتنا بھی ہوسکے تقویٰ اور پرہیزگاری کا جذبہ پیدا کرو، یہی روزہ کامیاب ہوگا جس پر اجروثواب بھی مرتب ہوگا۔

قرآن اور تراویح : تراویح میں کم از کم ایک دفعہ ختم کرنا سنت ہے۔ اب تک مسلمانوں میں حضور ﷺ کی یہ سنت رائج ہے۔ اور اس کا مقصد قرآن مجید کا سننا اور اس پر عمل کرانا ہے جسے خدا زیادہ ہمت دے تو اور بھی بڑی نعمت ہے مگر اسے ہماری کمی کہئے کہ شیطان پہلے تو نیکی کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے اور اگر شروع کردیں تو جلدی اور عجلت کراتا ہے کہ جلدی جلدی ٹھوکر لگاؤ یا جیسا کہ مرغی ٹونگا لگاتی ہے اور ہمیں تلاش ہوتی ہے ایسے حافظ کی جو پندرہ بیس منٹ میں ساری تراویح پڑھاوے، جتنا بھی خیبر میل گاڑی کی طرح تیز دوڑ سکے وہی اچھا حافظ ہے۔ گویا تیز رفتاری اور ترقی کا زمانہ ہے ہم تراویح میں کیوں تیز رفتار نہ بنیں۔ تو بھائیو! یہ بہت غلط بات ہے۔ تراویح میں جتنا زیادہ وقت لگ جائے موجب اجر ہے اور جتنا بھی صحیح تلفظ ہو، حروف کی تصحیح ہو کہ مقتدی کی سمجھ میں آسکے۔ اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا، شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے اپنی نیکی برباد نہ کرو، شیطان کبھی یہ روڑا اٹکاتا ہے۔ منکرین حدیث وغیرہ کے ذریعہ کہ بغیر مطلب سمجھے ہوئے تلاوت اور اسکے سننے کا کیا فائدہ، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل اس لئے کیا کہ ہم اسے پڑھیں، حفاظ سے سنیں اور اس کو دیکھ کر اس پر عمل کریں۔

موجودہ تعلیم : حضور ﷺ نے فرمایا: جس پیٹ، دماغ اور جس روح میں قرآن نہ ہو تو وہ پیپ اور خون سے بھرا ہوا اچھا ہے۔ فلمی گانوں اور اشعار سے تو دماغ بھرا ہو، قسم قسم کے اشعار اور گانے

مرد اور عورتیں حیوانات کی بولیاں اور نقلیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو یاد ہوں اور اس میں اتنا انہماک اتنا توغل اور ذوق و شوق ہو کہ شعر خواہ مہمل الفاظ کا کیوں نہ ہو بڑے چھوٹوں کو یاد ہوں اور قرآن کے تلفظ تک سے محروم رہیں اور پہلے تو کچھ نہ کچھ تھا، اب تو بد قسمتی سے سب کچھ چلا گیا۔ کاش ہم سمجھتے کہ اس قوم کی ترقی اور صحیح تعلیم و تربیت دین ہی سے ہو سکتی ہے، اگر موجودہ تعلیم سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا تو واللہ اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیابات ہوتی مگر یہ تعلیم تو دین کے لئے نہیں بلکہ عیسائیت، قادیانیت اور پرویزیت کے لئے ہے۔ اس لئے نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام سیکھیں بلکہ دین کی جڑیں کیسے کاٹیں گے، سرخ گورا کیسے بنیں گے، کھڑے ہو کر پیشاب کیسے کریں گے، کوٹ پتلون کیسے پہنیں گے۔ یہ تعلیم تعلیم کی جو رٹ لگائی جارہی ہے اس کی تہ میں گورا اور فرنگی بیٹھا ہوا ہے اس تعلیم نے مرد اور عورتوں کو ننگا کر دیا، سڑکوں اور محفلوں میں نچوایا، یہ بے حیائی ثمرہ تھا اس تعلیم کیا اس تعلیم پر ہم خوش ہوں گے۔ اس پر تو ہم روتے ہیں اور جب روتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ مُلا ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ارے ظالمو! زنا کرنا ہے تو خود کرو، اپنی بہن بیٹی کو نچواؤ، پوری قوم اور پوری رعایا کو کیوں زانی اور ڈانسر بناتے ہو، اگر یہ تعلیم دین اور اچھے اخلاق کیلئے ہوتی تو کونسا مسلمان اس پر خوش نہ ہوتا، مگر یہ تعلیم تو ڈانس کیلئے ہے اوپر جاؤ تو انگریز اور میم بنو، رقص و سرود اور عیاشی سیکھو۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ چھوٹی بچیاں سکول سے آکر بجائے اللہ اور اسکے دین کی بات کے بلی کتا کی رٹ لگاتی ہیں اور جب بڑی ہوتی ہیں تو مشترکہ ڈانس اور کلچر سکھایا جاتا ہے۔ اس صورت میں قرآن کی تعلیم پڑھنے پڑھانے اور سننے کی کیا صورت ہو۔

روزے کا مقصد روزہ اور قرآن: رمضان کے تیس دن ہماری ٹریننگ اور عملی تربیت کے دن ہیں، جس طرح فوجی تربیت ہوا کرتی ہے اسے لڑائی کے لئے جنگلوں اور میدانوں میں رکھا جاتا ہے، بھوک اور پیاس کی عادت ڈالی جاتی ہے اس طرح جب رات کو ہم نے پارہ سوا پارہ قرآن مجید سن لیا جس میں کچھ اوامر ہیں کچھ نواہی ہیں تو اب ہم دن کو اپنی خواہش اور ھوئ کو اپنے قابو میں رکھیں گے، خدا کے حکم کے مقابلہ میں اپنی خواہش کے پیچھے نہیں جائیں گے۔ دن بھر رات کی تراویح کا سبق دہرایا جارہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ عمر بھر اللہ کے احکام کی اس طرح تعمیل کرنی ہے جیسے

رمضان میں اور قرآن کریم پر اسی طرح عمل پیرا ہونا ہے۔ اس لئے قرآن مجید اور رمضان کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن اتار اگیا اور اسی مہینہ میں ہر سال دہر لیا جاتا رہا اور یہ سننا صرف سُنانہ ہو بلکہ ایک ایک مسئلہ کو سُننا اور اس پر عمل کر کے دکھانا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا کردار : صحابہؓ نے ایسا کر دکھایا۔ مثلاً اسلام کا ایک مسئلہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کے داماد ذوالنورین ہیں، خلیفہ ثالث ہیں، ساری اسلامی سلطنت پر حکومت ہے، دشمنوں نے محاصرہ کیا، فوج، پولیس اور ذاتی غلام بے شمار موجود ہیں، ایک اشارہ ہو جاتا یا کم از کم لوگوں کو روکتے نہ تو دشمن کا منٹوں میں صفایا ہو جاتا مگر آخر تک لوگوں کو باغیوں پر اسلحہ اٹھانے سے منع کیا کہ اپنی ذات کیلئے اور حکومت قائم رکھنے کیلئے کسی کا خون نہیں بہاؤں گا۔ گھر کے ارد گرد اپنے ذاتی غلام ہیں۔ انہیں یہ کہہ کر آزادی کا موقع دیا کہ جس نے اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دیا وہ آزاد ہو گیا، اور حکم دیا کہ میرے مخالفین پر تلوار نہ اٹھائی جائے، یہاں تک کہ شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مگر قرآن کی تعلیم "انما المؤمنون اخوۃ" پر عمل پیرا رہے کہ ذاتی وقار کیلئے کسی کو ایذا نہیں پہنچاؤں گا۔ الغرض رمضان میں ہم سب طالب العلم ہیں، جتنا بھی قرآن رات کو سنتے ہیں اس کا خلاصہ اور اجمال یہی ہے کہ خدا کے حکم پر عمل کرتا ہے۔ روزہ اس کی عملی تربیت ہے۔

روزے کی رُوح : جس کے بغیر روزہ بے روح لاش رہ جاتا ہے۔ انسان کی صورت اچھی ہو بڑی شان و شوکت والا ہو مگر جب روح نہ ہو تو مسلمان اسے دفن اور ہندو اسے جلا دیتے ہیں یا دریا میں پھینک دیتے ہیں کیونکہ روح نہیں تو انسان بھی نہیں۔ اگر اس بلا روح لاشے کو ہم رکھیں گے تو تعفن اور بدبو پھیلے گی۔ اسی طرح یاد رکھئے کہ اعمال کی بھی ایک روح ہے اور ایک صورت۔ تو صورت صبح صادق سے مغرب تک تین چیزوں سے پرہیز کا نام ہے اور اس کی روح یہ ہے کہ ہم میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو۔ روزہ جہاد کی عملی تیاری ہے، بھوکوں پیاسوں کی مدد کرنے کا احساس روزہ دلاتا ہے۔ روزہ ہمیں حرام سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ روزہ ضبط نفس کا سبق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے قریب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

افادات : حضرت مولانا محمد ایوب الہاشمی صاحبؒ جناب صاحبزادہ قاری عتیق الرحمان ہاشمی صاحب

واقعہ معراج النبی ﷺ

منکرین معراج جسمانی کا عقلی سفسطہ

آز مودم عقل دوراندیش را — بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را
گرنہ باشد فضل ایزد دستگیر — درہمیں علم و عقل آئی اسیر

ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اور مختار کل ماننے کے بعد جناب سرور کونین ﷺ کو امام الانبیاء وخاتم الرسل ﷺ مان لے کس طرح جرأت کر سکتا ہے کہ خدائے قدوس کے کلام اور خاتم الانبیاء ﷺ کے فرمان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہے۔ ایمان والوں نے خبر معراج جسمانی سنکر آمنا وصدقنا کہا اور صدیق کہلائے۔ معاندین کو نہ ہی قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر یقین تھا اور نہ ہی آپؐ کی شان رسالت پر ایمان تھا۔ باوجودیکہ کلام الٰہی کے چیلنج کا جواب دینے سے عاجز اور نبی کریم ﷺ کے معجزہ شق القمر جس کا مطالبہ بھی خود ہی کیا، مگر عناد وبغض نے انہیں انکار وجود کی دلدل سے نہیں نکلنے دیا۔" وجحدوابہاواستیقنتہاانفسہم ظلماًوعلواً " آیات الٰہی اور نشانات قدرت ظالم اور ضدی کے دل میں بھی اُتر کر اضطراری یقین پیدا کر دیتی ہیں مگر تقدیرات الٰہی کی نیرنگیاں معاً قلوب کو اپنی گرفت میں لیکر محض ضد اور جحود اختیاری کی مہر لگا دیتی ہیں۔ آج بھی نیچریت اور مغربیت سے ماؤف عقل نارسا کہیں تو معراج روحانی یا منامی سے دلوں کو بہلا رہی ہے اور کہیں کشف جیسے رکیک الفاظ کا سہارا لیکر مذہبی قطعی اصولوں کو موم کی ناک بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بعض نے روایات کا انقطاع ثابت کیا اور بعض نے فن روایت سے ناواقفیت کی بناء پر اضطراب کا پھنداڈالکر صحیح روایات پر نقب زنی کرنے کی کوشش کی اور بعض نے طبقات ناریہ اور زمہریہ سے جسد عنصری کے صحیح سالم گزرنے کا استحالہ پیش کیا اور کسی نے اس سرعت حرکت براقی کو ناممکن قرار دیا : واذلم یھتدوابہ فسیقولون ھذا افک قدیم۔ جب بات کر نہیں سکے تو اس کا نام طوفان ہی رکھا۔

﴿واقعہ معراج سائنس کی روشنی میں﴾

"قرآن کریم جس کے بارے میں "یضل به کثیراً ویهدی به کثیرا" اپنے اندر وہ نور ہدایت رکھتا ہے کہ جسکی اک ادنی کرن اور شعاع اگر صحیح الاستعداد انسان کے سینے ایک منٹ میں عرش اور بالائے عرش کی سیر کرادیتی عالم برزخ ملک ملکوت جبروت ولاہوت کے اسرار و معارف سے آشنا کردیتی ہے۔ موت مابعد الموت حشر و نشر جنت دوزخ وزن اعمال مرور صراط گرنا گزرنا غرضیکہ انسان کی ابدی زندگی کے ابدالآباد تک تمام گوشے تفصیل سے پیش کرتی ہے مگر فاسد الاستعداد ماؤف العقل صورت کے انسان پر وہی اثر چھوڑتی ہے جو آفتاب عالمتاب روز روشن میں دوپہر میں چمگادڑ کی آنکھوں کو بے نور اور دل کو بے سرور کردیتا ہے اگر شیرینی صحت مند کیلئے مرغوب طبع ہے تو صفراوی مزاج کیلئے اتنی ہی مضر اور باعث تنفر ہے۔ احول بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں تو یہ آفتاب اور مٹھائی کا قصور نہیں بلکہ مزاج کا نقص اور فساد ہے وہی آفتاب ہے جو اپنی تابانی سے کپڑے کو چمکا دیتا ہے مگر دھوبی کو اتنی ہی جلا کر سیاہ کردیتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کل تک ہی عقل نیچر کے مدعی جنات وملائکہ کے وجود سے بے خبر ہو کر انکاری تھے مگر آج یورپ خود جنات وملائکہ کے وجود پر حسی دلائل پیش کررہا ہے۔ اور ہمزاد تک کا قائل ہو چکا ہے۔ کل تک طبقات ناریہ زمہریریہ کو موانع معراج سمجھانے کی کوشش کی جارہی تھی اور آج کے انکشافات جدیدہ اور راکٹوں کی برق رفتاری نے سابقہ انکشافات کی تکذیب اور پردہ دری کردی۔ یہ فرضی توہمات اور فلسفیات کا بھوت اسی وقت تک انسان پر سوار رہتا ہے جبکہ اباء اور استکبار کے طوق سے لدا ہوا ہو نہ ہو تجلی جو انسانی صنعت ہے۔ زمین کے گرد ایک منٹ میں پانچ سو مرتبہ گھوم سکتی ہے اور بعض سیارے ایک ساعت میں آٹھ لاکھ اسی ہزار میل حرکت کرسکتے ہیں۔ انسانی صنعت کی تیز رفتاری کا اندازہ کرنا اگر واقعات نے ایک عقدہ بنا دیا ہے تو عجائبات قدرت خداوندی کا اندازہ کرنے کا انسان کو حوصلہ ہوسکتا ہے؟ آج سائنس جدید کے انکشافات سائنس قدیم کے جملہ انکشافات میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ تکذیب کرکے "انظر کیف کذبوا علیٰ انفسهم وضل عنهم ماکانوا یفترون کا سماں قائم کررہے ہیں۔ آج اگر ارسطو، فیثاغورث، افلاطون، جالینوس، بوعلی سینا اور فارابی بھی

قبروں سے اٹھ کر آجائیں تو حسب مضمون آیت کریمہ "ربما یودالذین کفرو الوکانو امسلمین وہ بھی ان جدید سائنسی انکشافات کو دیکھ کر اپنی تحقیقات قدیمہ کو اوہام و اباطیل کا پلندہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد فرمارہا ہے: ولما یأتیھم تاویلہ یوم یاتیھم تاویلہ یقول الذین نسوہ من قبل قدجاء ت رسل ربنا بالحق ۔ابھی تک ان کے پاس ان واقعات کی تعبیر نہیں آئی جب تعبیر واقعات و حقائق سامنے آئیں گی۔ بھول چوک میں مبتلا حضرات یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے جو حقائق پیش کئے تھے وہی حق ہے۔ ہمارا انکار فقط اوہام اور افکار باطلہ پر مبنی تھا۔ جس خدائے عزوجل نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کو یہ طاقت و کرامت عطاء فرمائی ملکہ بلقیس کا تحت اقصیٰ یمن سے اقصیٰ شام میں لانے کا چشم زدن میں دعویٰ کرتا ہے۔انا اتیک بہ قبل ان یرتدالیک طرفک۔ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔فلماراہ مستقراعندہ' قال ھذا من فضل ربی ۔جب دیکھا کہ تخت سامنے موجود ہے فوراً بولے یہ میرے رب کا فضل و مہربانی ہے۔ خود تخت سلیمان علیہ السلام کو ہوا تسخیر ربانی سے یمن سے شام اور شام سے یمن چند گھنٹوں میں لیجاتی ہے۔ یہاں بھی مغلوب العقل انسان کہہ سکتا ہے کہ بلقیس کا تحت باوجود کثیف اور مادی ہونے کے کس راستہ سے اور کیوں کر اتنی لمبی چوڑی مسافت کو چشم زدن میں طے کر گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیھا السلام انہی طبقات کے راستے سے صحیح سالم پہنائیوں کے بیچ سے مائدہ نازل ہوا۔ کسی سردی اور گرمی سے اس میں تعفن اور تغیر پیدا نہیں ہوا۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا طعام و شراب یعنی کھانا اور پانی سو سال گزرنے کے بعد بھی اسی طرح تازہ اور خوشبودار ہے۔ ہر قسم کی سڑانڈ اور بو سے محفوظ ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسد عنصری کیساتھ چشم زدن میں آسمانوں پر چڑھ جانا۔ تو جناب رسالت مآب سراپا نور مجسم ﷺ کا بجسدہ العنصری آسمانوں پر جانا اور چشم زدن میں آجانا کیونکر مستبعد اور خلاف عقل ہو سکتا ہے ۔ جس خدائے قدوس کی قدرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کیلئے نار ابراہیم کو نور بنادیا۔ وہ حبیب الرحمٰن ﷺ کیلئے کرہ ناری کو نور بنادے تو کس سائنس اور عقل کے خلاف ہے۔ مشاہدات حاضرہ میں بجلی کس قدر طاقت کی حامل

ہے کہ چشم زدن میں جان لیوا بن جاتی ہے مگر ہاتھ میں لکڑی ہو یا بڑ کے دستانے ہوں تو قطعاً اثر نہیں کرتی۔ اگر انسان اتنی سریع التاثیر طاقت کے تاثیرات کا دفاع جانتا ہے تو رب قدیر من بیدہ ملکوت کل شئی جس کے قبضہ قدرت میں جان اور روح ہے۔ تاثیرات پیدا بھی کر سکتا ہے اور تبدیل بھی کر سکتا ہے۔

﴿معراج جسمانی اور قرآن کریم﴾

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ سبحان کا لفظ عجائبات کے ظہور کے وقت بولا جاتا ہے۔ معراج منامی یعنی روحانی کوئی امر عجیب نہیں۔ جس پر سبحان کا لفظ بولا جائے۔ اسرائے اسراء کا لفظ بیداری میں جسم عنصری کی سیر پر بولا گیا ہے۔ فاسر باھلک بقطع من اللیل لوط علیہ السلام کو حکم دیا جاتا ہے کہ راتوں رات اپنے گھر والوں کو لے چل موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جاتا ہے۔ فاسر بعبادی لیلاً انکم متبعون۔ میرے بندوں کو راتوں رات لے چل۔ یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ عبد کا لفظ بھی روح مع الجسد پر بولا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا۔ واذکر عبدنا ایوب انزل علی عبدہ الکتاب' تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ کونوا عبادالی من دون اللہ۔ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الافتنۃ للناس ۔ جو کچھ ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے فتنے اور امتحان کیلئے۔ ظاہر ہے کہ رویت بصری جو بیداری میں ہو رہی گمراہی اور فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ رویت روحانی اور منامی سے کیا فتنہ پیدا ہو سکتا ہے؟ معراج جسمانی نے ہی فتنہ قائم کیا۔ مخالفین نے انکار کیا اور کچے عقیدے والے مرتد ہو گئے۔ اوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ یہاں بھی آسمانوں پر پہنچ جانے کے بعد بھی عبد کا لفظ ہے جو جسم عنصری پر دال ہے۔ ما زاغ البصر وما طغی ۔ بصر کا لفظ استعمال فرمایا جو جسمانی رویت پر دلالت کرتا ہے۔ دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ کے الفاظ بھی دونوں جسمانی پر دال ہیں، کیونکہ اس قرب کو قوسین کے قرب کیساتھ تشبیہ دی گئی اور قوسین جسم ہیں تو جسم کو جسمانی ہی کیساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے اسلئے یہ قرب آپکا مع الجسم تھا اور فقط روحانی نہیں تھا۔

معراج جسمانی اور احادیث

ام ہانیؓ کے گھر میں بحالت استراحت یکایک چھت کا پھٹ کر فرشتہ کا آنا اور آپ کو اٹھا کر مسجد حرام میں لے جانا اور آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے قلب مقدس کو زمزم شریف کے پانی سے دھونا اور حکمت ایمان وعرفان سے بھر دینا۔ براق پر سوار کر کے آپ کا لیجانا، جبکہ براق پر سواری کی جسم ہی کو ضرورت ہے۔ صبح ام ہانیؓ کو آنحضرت ﷺ نے اپنا واقعہ معراج ذکر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا، ورنہ لوگ تکذیب کریں گے۔ اندیشہ تکذیب فقط معراج جسمانی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔ خواب اور منام پر اتنا فتنہ اور شورش کیسے برپا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اہل مکہ میں اس تکذیب کا کہرام مچ گیا۔ کئی اپنے اور کچے قسم کے عقیدت مند بد عقیدہ ہو گئے اور کہا یہ ناممکن ہے کہ ایک انسان ایک رات میں اتنا لمبا چوڑا سفر جسم سے طے کر سکے۔ اس واقعہ معراج کے بارے میں محدث جلیل القدر ابن کثیر لکھتے ہیں۔ فحدیث الاسراء اجمع علیہ المسلمون واعرض عنہ الزنادقہ اور ان رویات کو متواتر لکھا ہے اور پچیس (۲۵) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نام گنوائے ہیں، جن سے یہ روایات منقول ہیں۔

معراج جسمانی اور غیر مسلم کی عینی شہادت

مشہور روایت جو بخاری میں بالتفصیل موجود ہے۔ قیصر روم کے دربار میں حضرت دحیہؓ کلبی کا آنحضرت ﷺ کا مبارک نامہ لیکر پہنچنا اور قیصر کا اپنے دربار میں عرب کے لوگوں کا بلوانا جو بغرض تجارت وہاں موجود تھے۔ چنانچہ حضرت ابو سفیانؓ جو اس وقت اول صف کے مخالفوں میں سے تھے۔ بلائے گئے انہوں نے بھرے دربار میں قیصر روم کے مختلف سوالات (جو نہایت ہی فراست پر مبنی تھے) جواب دیا۔ دل میں جھوٹ بولنے کا خیال آیا بھی مگر بعد کی رسوائی کے خوف سے جرأت نہ کر سکے۔ چنانچہ ابو سفیانؓ کہتے ہیں۔ مجھے معاً خیال پیدا ہوا کہ اسی واقعہ معراج کو پیش کر کے بادشاہ بدظن کر لونگا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ حامل نبوت جناب محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک رات میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے سات آسمانوں تک ایک رات میں جسمانی سیر کرا کے واپس لایا گیا۔ ایلیا کا سب سے بڑا عالم جو ہرقل کے سرہانے کھڑا تھا۔ اس نے کہا کہ میں

اس رات سے واقف ہوں۔ چنانچہ ابو سفیان خاموش کرا دیئے گئے۔ بادشاہ اپنے پوپ کیطرف متوجہ ہو گیا پوچھا تجھے کیسے معلوم ہے؟۔ اس نے کہا۔ میرا معمول تھا کہ ہر رات مسجد بیت المقدس کے تمام دروازے بند کرا کے سوتا تھا۔ ایک رات تمام دروازے بند کئے مگر ایک دروازہ اپنی جگہ جام اور بند نہیں ہو سکتا تھا۔ بڑی کوشش کی گئی مگر پہاڑ جیسا وزنی معلوم ہوا مجبوراً کھلا ہی چھوڑ دیا۔ صبح ہوتے ہی میں اس دروازہ پر پہنچا اس دروازہ کے پاس پتھر کی چٹان میں ایک روزن اور سوراخ بنا ہوا ہے۔ یہ وہ روزن تھا جس سے انبیاء علیھم السلام جو بیت المقدس تشریف لاتے انکی سواریاں اسی روزن سے باندھی جاتی تھیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ آج رات معلوم ہوتا ہے کہ کسی نبی کی آمد اس مسجد میں ہوئی ہے اور انکی سواری کو اس سوراخ سے باندھا گیا اور آنحضرت ﷺ کی نماز وغیرہ کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ (ابن کثیر ص: ۲۴ جلد ۳) یہ واقعہ معراج جسمانی کی کھلی تائید ہے اگر روحانی تھا تو ابو سفیانؓ کو اس واقعہ کے پیش کرنے سے کیا حاصل۔ خوابیں تو آتی ہی رہتی ہیں پھر عیسائی عالم کا مسجد بیت المقدس کے دروازہ کے بند نہ ہونے کا حوالہ اور پتھر کا سوراخ روزن کی شہادت پیش کرنا اور نماز وغیرہ کے واقعات معراج جسمانی ہی کے دلائل ہیں۔ اہل مکہ کا اپنے قافلہ کے بارے میں پوچھنا اور آپ کا جواب دینا کہ وہ قافلہ بدھ کی شام غروب شمس سے قبل آنکلے گا سارا مکہ اور قریش نکلے۔ یہ قافلہ آپ کو مقام ضجنان میں سوتا ہوا ملا ان کے ایک برتن میں پانی ڈھکا ہوا تھا ڈھکنا اتار کر اس میں سے پانی پیا قافلہ کے آنے میں دیر ہوئی چنانچہ سورج کے غروب سے قبل ہی آپ کے ارشاد کے مطابق خاکستری رنگ کا اونٹ آگے آگے تھا اور اس قافلے والوں کا پانی جو ان کی چھاگل (برتن) میں تھا گم ہو جانا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پانی میں نے ہی پیا تھا۔ معراج جسمانی کے اٹل دلائل ہیں۔ اسی طرح حدیث مسلم جس میں مسجد بیت المقدس کے بارے میں کفار نے نشانات مانگے۔ ابتداً آپ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ ازاں بعد رب تعالیٰ نے فوری مسجد بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا اور میں دیکھ دیکھ کر بتلا رہا تھا جس پر کفار اور فجار کی زبانوں پر تالے پڑ گئے اور دم بخود ہو گئے۔ اس رات تمام انبیاء علیھم السلام کی آپ ﷺ نے مسجد بیت المقدس میں امامت کی۔ ہر پیغمبرؑ نے خطبہ دیا اور آخر میں آپؐ نے خطبہ دیا اس رات میں آپ ﷺ کھوروں والی

زمین میں اتارے گئے جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہاں نماز پڑھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون سی زمین ہے جبرائیل علیہ السلام نے کہا مدینہ طیبہ آپکی ہجرت گاہ ہے۔ اسی طرح مدین سے گزر ہوا وہاں بھی نماز پڑھی۔ آپ نے پوچھا کونسی جگہ ہے؟ جبرائیلؑ نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔ اسی طرح کوہ طور پر بھی آپ نے نماز پڑھی۔ اسی سیر میں آپ کو ایک بڑھیا ملی۔ اسی طرح ایک بوڑھا ملا۔ (جس نے آپکو السلام علیک یا اول یا آخر یا حاشر کے الفاظ سے سلام پیش کیا) جس نے آپ کو اپنی طرف بلایا۔ جبرائیلؑ نے کہا آگے چلئے آگے ایک جماعت نے آپ ﷺ کو سلام بایں الفاظ پیش کیا۔ السلام علیک یا اول یا آخر یا حاشر۔ جبرائیلؑ نے کہا ان کے سلام کا جواب دیں یہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بڑھیا دنیا ہے اور بوڑھا ابلیس ہے جو آپ کو بلا رہا تھا اور آپ ﷺ انکی طرف نہیں گئے۔ اسی طرح اس رات میں عجائبات دکھائے گئے۔ ایک (۱) قوم ہے اسی دن فصل بو رہی ہے اور اسی دن کاٹ بھی رہی ہے اور پھر فوراً فصل مکمل ہو جاتی ہے۔ (۲) اسی طرح ایک قوم جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں اور کچلے جاتے ہیں اور پھر پہلی حالت پر ہو جاتے ہیں۔ (۳) ایک قوم پر گزر ہوتا ہے جو ننگے بدن اور مویشیوں کی طرح زقوم کھا رہی ہے۔ (۴) ایک قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت ہے اور دوسری میں کچا سڑا ہوا۔ (۵) پھر ایک شخص پر گزر ہوا جس کے سر پر لکڑیوں کا بھاری گٹھڑ ہے اور وہ اسے اٹھا نہیں سکتا۔ (۶) ایک قوم پر گزر ہوتا ہے جنکی زبانیں اور ہونٹے آہنی قینچی سے کاٹے جا رہے ہیں اور کٹ کر پھر سابقہ حالت پر ہو جاتے ہیں۔ (۷) پھر آپکا گزر ایک پتھر پر ہوا جس سے ایک بیل نکلتا ہے اور پھر اس میں جانا چاہتا ہے مگر جا نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہر موقعہ پر پوچھا۔ جبرائیلؑ نے کہا۔ پہلی قوم غازی اور مجاہدین فی سبیل اللہ دوسرے لوگ فرض نماز عملاً ترک کرنے والے ہیں۔ تیسرے زکوۃ نہ دینے والے چوتھے وہ جو حلال کی بیوی کو چھوڑ کر حرام کیطرف جانے والے ہیں۔ پانچویں وہ انسان جو لوگوں کے حقوق و امانتیں ادا کرنے پر قادر نہیں اور لادتا جاتا ہے۔ چھٹے بے عمل واعظ ہیں۔ ساتواں وہ شخص جو غلط بات منہ سے نکالے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے جنت اور انعامات جنت جہنم اور درکات جہنم کو دیکھا۔ اسی طرح بعض لوگ

یسے پیٹ والے دکھائے گئے۔ جو کوٹھڑیوں کی طرح ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ سود خور
ہ۔ بعض ایسے لوگ بھی دکھائے گئے جو اونٹ کیطرح ہیں جنکے ہونٹوں سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔
برائیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم
سلام کو آپ نے نماز پڑھائی اور ہر پیغمبر نے خطبہ دیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو آپ کے استقبال کی
اطر جمع کیا گیا۔ ازاں بعد سفر آسمان شروع ہوتا ہے۔ جس کے لئے روایات کے مطابق زینہ لایا گیا
جس کے بارے میں روایات سونے کی بھی اور چاندی کی بھی ہیں اور بعض روایات میں آگے بھی
اق پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ آسمان اول کا دروازہ کھولا گیا ایک بزرگ بیٹھے ہیں جبرائیل علیہ السلام
نے تعارف کرایا آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام پیش کریں میں نے سلام کیا۔
ہوں نے مرحبا کہا۔ انکی داہنی طرف کچھ صورتیں ہیں جن کو دیکھ رہے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام
نے کہا داہنی طرف جنتی ہیں جن کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اور بائیں طرف دوزخی ہیں۔ جن کو دیکھ
رو رہے ہیں۔ دوسرے آسمان میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ تیسرے
مان میں حضرت یوسف علیہ السلام چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام کو پانچویں آسمان پر
ضرت ہارون علیہ السلام کو چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام
جو بیت المعمور کیساتھ اپنی کمر لگائے بیٹھے ہیں۔ پھر مجھے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا۔ جس کے
اتنے بڑے ہیں جیسے مقام ہجر کے مٹکے پھر مجھے ایک ہموار میدان کیطرف اٹھایا گیا۔ جہاں میں نے
موں کی آواز سنی اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ مقام سدرہ کے بعد جبرائیل علیہ السلام آگے
نے سے رک گئے اور معذرت پیش کی کہ اگر میں آگے بڑھوں تو نور سے میرے پر جل جاتے ہیں
خ سعدیؒ نے اسی کا ترجمہ اشعار پیش کیا۔

بروگفت سالار بیت الحرام	کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی	عنانم زصحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند	بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم	فروغ تجلی بسوزد پرم

بعد ازاں مجھے ستر ہزار نوری حجاب طے کرائے گئے۔ انہی نوری حجابوں میں ہر قسم کی آہٹ ختم ہو گئی اور مجھے آواز آئی قف یا محمد ﷺ فان ربک یصلی۔ اے محمد ﷺ ٹھہر جا تیرا رب صلوۃ میں مشغول ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رب اور صلوۃ یعنی نماز مجھے آواز آئی ھوالذی یصلی علیکم وملئکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور یعنی صلوۃ سے مراد رب تعالیٰ کی رحمت ہے۔ آپ ﷺ کیلئے اور آپ کی اُمت کیلئے۔ کیا نبی کریم ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے رب تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک دفعہ دل سے دوسری دفعہ ظاہری آنکھ سے امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص کہے کہ نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کی تو اس روایت کا کیا جواب دیا جائے فرمایا نبی علیہ السلام کے قول سے رأیت ربی میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ آخر میں اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بطلیموسی اور فیثا غورسی سائنس پر ایمان رکھنے والوں نے روایت اور درایت کے اصولوں سے ناواقفوں نے سائنسی توہمات و تخیلات کو اپنا ایمان بنالیا۔ آیات قرآنی واحادیث نبویہ جو قطعی اور متواتر ہیں۔ جن پر اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔ کی دور از کار تاویلات کر کے خدا کو بھی اپنے توہمات واباطیل کا پابند بنانے کی جھوٹی کوشش کی مگر حسب ارشاد الٰہی وحاق بہم ماکانوا یستھزؤن آج انکشافات جدیدہ نے پرانے انکشافات کا بھرم کھول دیا۔ امید ہے یہ تحریر منکرین معراج جسمانی کیلئے مفید ثابت ہو گی۔ ان ارید الا الاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الا باالله علیه توکلت والیه انیب حسبنا الله ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الاباالله العلی العظیم۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آخری قسط (3)　　　جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب

اسلام اور اکیسویں صدی: قاہرہ کانفرنس کی مفصل روداد

فرقانیہ اکیڈمی کا لٹریچر: آج کا دن اس حیثیت سے بھی میرے لئے ایک اہم اور مبارک دن تھا کہ میں نے اپنا پیغام (بلکہ قرآن کا پیغام) نہ صرف عالم اسلام تک پہنچادیا بلکہ فرقانیہ اکیڈمی کا لٹریچر بھی عربی اور انگریزی زبان میں تقریباً تمام نمائندوں میں تقسیم کردیا۔ اس سلسلہ میں عربی میں شائع شدہ دو نئی کتابیں خصوصیت کے ساتھ عرب نمائندوں کو دی گئیں جو یہ ہیں:

(۱) التجلیات الربانیۃ فی عالم الطبیعۃ (۲) أھمیۃ علم الکیمیاء والفیزیاء و خطورۃ النفط والبتر وکیمیائیات۔ پہلی کتاب قرآن اور سائنس کے تعلق پر اب سے چند سال پہلے سینٹ جانس چرچ روڈ میں دیے گئے میرے لیکچرس کا مجموعہ ہے اور یہ لیکچرس عربی، انگریزی اور اردو تینوں زبانوں میں اکیڈمی کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں اور دوسری کتاب "خلافت ارض کے لئے علم کیمیاء اور طبیعیات کی اہمیت" پر ہے۔ اس کتاب کے اردو اور انگریزی ایڈیشن زیر طبع ہیں۔ یہ کتاب عربی زبان میں خاص کر قاہرہ کانفرنس میں تقسیم کے لئے تیار کی گئی تھی اور وہاں پر کافی تعداد میں تقسیم کی گئی۔ اس کتاب کا تعلق پٹرولیم اور پٹروکیمکلز سے ہے اور اس کا مقصد پٹرولیم کی تیاری کیلئے جو صنعتیں آج روئے زمین پر سرگرم عمل ہیں ان میں جدید علم کیمیاء اور طبیعیات کا رول دکھانا ہے، تاکہ اہل اسلام ان علوم کی کارفرمائی سے آگاہ ہو کر اسلامی دنیا میں جدید تکنک کو رائج کرتے ہوئے جدید صنعتوں کا ایک جال بچھا سکیں اور اس کے نتیجے میں وہ مغربی ممالک کی اجارہ داری کو توڑ سکتے اور اس میدان میں ایک بہت بڑا انقلاب لا سکتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی قدرتی دولت غیروں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں عالم اسلام کی ترقی کیلئے بعض تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

بعض مندوبین سے میری ملاقات: گذشتہ تین دنوں میں کئی اہم ملکوں کے مندوبین سے میری ملاقات ہوئی اور بعضوں سے مفصل تعارف ہوا۔ ان میں سعودی عرب کے وزیر برائے امور اسلامی ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی، سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے نائب صدر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ العبید، مصر کے وزیر اوقاف ڈاکٹر حمدی

قزوق، شیخ الازھر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی، شام (سوریہ) کے وزیر اوقاف محمد عبدالرؤف زیادہ، یمن کے وزیر اوقاف علامہ احمد محمد شامی، بحرین کے وزیر اوقاف، بنگلہ دیش کے وزیر اوقاف مولانا نورالاسلام، سری لنکا کے وزیر ٹرانسپورٹ جناب احمد فوزی، کویت کی ایک تنظیم کے صدر شیخ یوسف جاسم حجی، نجیریا کی مجلس افتاء کے صدر ابراہیم صالح حسینی، جنوبی افریقہ کی جمعیت العلماء کے صدر جناب عباس علی جینا، اٹلی کی انجمن اسلامیہ کے صدر شیخ عبدالواحد، سنگاپور کے مرکز عربی تعلیم کے صدر جناب طاہر بن محمود الحدّاد، برطانیہ کے علماء بورڈ کے امیر ڈاکٹر مولانا عبدالرحیم، برطانیہ کی مسلم کونسل کے جنرل سیکرٹری جناب اقبال، مراکش کی تنظیم (اسیسکو) کے ڈائریکٹر برائے اطلاعات جناب عبدالقادر ادریسی اور ساؤپویونیورسٹی (برازیل) کے ایک پروفیسر حلمی نصر سے ملاقات ہوئی جو اصلاً مصری ہیں۔

قزاقستان اور چین کے وفود : ان کے علاوہ قزاقستان کی ایک اسلامی تنظیم کے صدر جناب حلیفہ الٹے سے بھی ملاقات ہوئی جو کئی سال تک پاکستان میں رہنے کی وجہ سے اردو بہت اچھی طرح بولتے ہیں اور انہوں نے قزاقی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ہے اور وہ رابطہ عالم اسلامی سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ چین کے ایک وفد سے بھی ملاقات ہوئی اور ان سے عربی میں گفتگو ہوئی اور مختصر تعارف ہوا۔ تقریباً تمام ممالک کے وفود کو اکیڈمی کی عربی اور انگریزی کتابیں پیش کی گئیں۔ مگر وقت کی کمی اور ہنگامے کے باعث اکثر حضرات سے گفتگو کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مگر یہ بھی بہت غنیمت تھا کہ عالم اسلام اور دنیا بھر کی بعض اسلامی تنظیموں کے نمائندے ایک جگہ جمع تھے جنہیں سننے اور ان کے خیالات کو سمجھنے کا موقع ملا۔ مگر جن سے باہمی تعارف نہیں ہو سکا ان تک اپنا پیغام بذریعہ لٹریچر پہنچادیا گیا۔ اسکندریہ کے بطریق بابا شنودہ ثالث کو بھی ایک انگریزی کتاب پیش کی گئی۔

جزیرہ روضہ کا نظارہ : ۴ جولائی کی دوپہر کا کھانا کل ہی کی طرح آج بھی دریائے نیل کی ایک آراستہ پیراستہ کشتی پر کھلایا گیا۔ ان کشتیوں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان میں کھڑکیوں کی جگہ شیشے لگے ہوئے تھے، جسکی وجہ سے باہر کا نظارہ خوب ہو رہا تھا اور لوگ بیرونی مناظر سے محظوظ

ہو رہے تھے۔ دریائے نیل پانی سے لبریز اور بغیر کسی تلاطم یا شور شرابے کے پورے وقار اور سکون کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ آج بھی کل ہی کی طرح آٹھ دس میل کا سفر کرایا گیا، مگر یہ ایک دوسرے جزیرے کا چکر تھا جو "روضہ" کے نام سے موسوم ہے۔ آج کا کھانا شیخ الازھر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی کی جانب سے تھا اور اس جزیرہ تک ہم کو بسوں کے ذریعہ لے جایا گیا اور بسوں کے ذریعہ واپس ہوٹل پہنچایا گیا۔ کل اور آج دریائے نیل میں سفر کی وجہ سے عروس البلاد قاھرہ کی ایک اچھی خاصی سیر ہو گئی اور بعض اہم مقامات کا مشاہدہ ہو گیا اور اس کے حسین و جمیل مناظر لوح دماغ پر ہمیشہ کیلئے مرتسم ہو گئے۔

دریائے نیل کی اہمیّت : دریائے نیل کا تذکرہ اب تک صرف کتابوں میں پڑھتے آرہے تھے مگر اب اس کے چشم دید مشاہدہ کی بھی سعادت نصیب ہو گئی۔ دریائے نیل دنیا کا سب سے لمبا دریا ہے جس کی لمبائی 6671 کلو میٹر ہے اور ملک مصر کی زراعت اور خوشحالی کا سارا دارومدار اسی پر ہے۔ چنانچہ مصر کی چوبیس لاکھ ایکڑ زمین دریائے نیل سے سیراب ہوتی ہے اور پینے کا پانی بھی اسی سے فراہم ہوتا ہے۔ گویا کہ اس کی حیثیت مصر کی معیشت میں شہ رگ کی سی ہے۔ اسوان ڈیم کے ۱۹۷۱ء میں بن جانے کی وجہ سے اس ڈیم کے ذریعہ دریائے نیل کے پانی کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور اس کی سطح سال بھر یکساں رکھی جاتی ہے۔ اسکی تفصیل انشاء اللہ اپنے مفصل سفرنامے میں بیان کروں گا۔ فی الحال اتنی ہی تفصیل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

کانفرنس کی قراردادیں : ۵ جولائی اتوار کانفرنس کا آخری دن تھا۔ کانفرنس کے مقالے اور تقریریں جو کچھ تھیں وہ سب کل ہی ختم ہو چکی تھیں۔ پروگرام کے مطابق آج صبح کے سیشن میں صرف ایک اختتامی تقریر ہوئی اور قراردادیں جو پہلے سے تیار تھیں پڑھ کر سنائی گئیں جو، حسب ذیل ہیں :

سیاسی میدان میں اسلام کا عالمی مؤقف

نمبر ایک : یہ کانفرنس ملت اسلامیہ کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اسلامی نظام شوریٰ کو اپناتے ہوئے اسے زندگی کے میدان میں داخل کرے اور اس سلسلہ میں وہ حسب ذیل امور پر زور دیتی ہے :

(۱) اسلامی نظام شوریٰ موجودہ صحیح جمہوری شکلوں کے مطابق وسیع ہو سکتا ہے خواہ وہ جمہوری نظاموں کے تحت ہو یا بادشاہی نظاموں کے تحت۔

(۲) اسلام کی تمدنی فکر اس بات پر زور دیتی ہے کہ دینی و دنیوی معاملات کتاب و سنت کے چوکھٹے میں حل کئے جائیں۔

(۳) ہر اسلامی ملک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے احوال و کوائف کے مطابق ان مقاصد کو بروئے کار لانے کا نظم کرے۔

(۴) اہل حل و عقد پر مشتمل شوریٰ قائم کرنے کیلئے بعض (اساسی) قواعد و ضوابط وضع کئے جائیں جن کے تحت یہ تنظیم کام کر سکے۔

(۵) فکر اسلامی کی خصوصیت میں سے ایک اہم خصوصیت رائے اور اجتہاد کی آزادی بھی ہے جو موجودہ دور کے حالات میں اس بات کی طالب ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اور اسلامی اقدار کے مطابق رائے میں اختلاف کیا جا سکے۔

نمبر دو: یہ کانفرنس ایسے وسائل اختیار کرنے کی سفارش کرتی ہے جو امت اسلامیہ کی تنظیم اسلامی احکام کے مطابق کرنے کیلئے ضروری ہوں۔ چنانچہ اس سلسلے میں حسب ذیل باتوں کی تلقین کرتی ہے: (۱) انسان کے سیاسی، تمدنی، اجتماعی اور اقتصادی حقوق کا احترام بغیر کسی تفریق کے کیا جائے۔ (۲) انفرادی و اجتماعی اجتہاد کو بروئے کار لانے کیلئے عالم اسلام میں موجود مختلف اداروں اور اکیڈمیوں کے درمیان ربط و ضبط قائم کیا جائے۔ ان میں مقدم جامع ازھر کے تحت قائم شدہ مجمع البحوث الاسلامیہ اور مؤتمر اسلامی کی تنظیم کے تحت قائم شدہ مجمع الفقہ الاسلامی ہیں، جن میں اسلامی ممالک کے علماء بطور نمائندہ شامل ہیں۔ (۳) موجودہ زندگی کی مشکلات کا حل فقہ اسلامی اور اس کے دلائل کی روشنی میں مناسب طور پر نکالا جائے۔ (۴) اسلام کے ان صحیح مفہومات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے جو انسان کی تکریم کرتے ہیں، خواہ اس کی جنس، اس کا رنگ اور اس کا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، جس کے باعث عالم بشری کے درمیان تعاون ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے: "ہم نے یقیناً اولاد آدم کی تکریم کی ہے۔" (بنی اسرائیل: ۷۰)

نیز فرمان الٰہی ہے : "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور تم سب کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ مگر تم میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو"۔ (حجرات : ۱۳)

(۵) یہ کانفرنس اس بات کی سفارش کرتی ہے کہ عالم اسلام کی جانب سے ذرائع ابلاغ یا خبر رسانی کی طرف خصوصی توجہ صرف کی جائے، تاکہ اسلام کی آواز بین الاقوامی سطح پر مؤثر طور پر سنی جاسکے اور اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ اسلامی ممالک نشر و شاعت کے خصوصی ادارے قائم کریں۔ (۶)۔ یہ کانفرنس اس قرارداد کو لاگو کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہے جسے تنظیم مؤتمر اسلامی نے اختیار کیا ہے کہ ایک تنفیذی اسلامی عدالت (عدلیہ) قائم کی جائے۔

نمبر تین : تیسرے نمبر پر یہ کانفرنس امت اسلامیہ کو بین الاقوامی طور پر اپنی شخصیت کے دفاع کیلئے حسب ذیل طریقوں کو اپنانے کی ضرورت پر زور دیتی ہے :

(۱) حکومتی اور قوموں کے درمیان تعاون ان اسباب کو ختم کرنے کیلئے بڑھایا جائے جو حکومتوں کے اندر اور باہر تشدد پسندی اور ہراسانی کو فروغ دینے والے ہوں، خواہ یہ اسباب سیاسی ہوں یا اقتصادی، فکری ہوں یا دینی۔ (۲)۔ ان بین الاقوامی کوششوں کی ہمت افزائی کی جائے جو ایک بین الاقوامی فوجداری عدالت کی تاسیس کے سلسلے میں ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ تشدد پسندی، نسل کشی اور زیادتی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف فیصلہ کر کے انہیں سزا دی جاسکے۔

(۳)۔ یہ کانفرنس تمام مسلم حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ فلسطینی قوم کے جائز حقوق کی بازیافت کیلئے متحد ہو جائیں، تاکہ سرزمین فلسطین میں ایک آزاد حکومت کا قیام عمل میں آسکے۔ چنانچہ فلسطینیوں کے حقوق غصب کرنے اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے سلسلے میں اسرائیل کے فیصلے زیادتی پر مبنی ہیں اور وہ بین الاقوامی قراردادوں پر عمل آوری اور میڈرڈ اور اوسلو معاہدوں کے نفاذ میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ نیز یہ کانفرنس اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ اسلامی ممالک بیت المقدس کو فلسطین کا پایہ تخت بنائے جانے کے موقف کی حمایت کرتے رہیں۔

(۴)۔ یہ کانفرنس کوسووا میں صربوں کی جانب سے مسلمانوں پر ہو رہے ظلم و زیادتی کی مذمت کرتے ہوئے عالمی برادری سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس ظلم کو ختم کرنے کیلئے اپنی کوششوں کو تیز

کردے تاکہ کوسوا کے باشندوں کو اپنا حق مل سکے۔ (۵) یہ کانفرنس عالمی معاشرہ کو دعوت دیتی ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے بین الاقوامی قراردادوں نیز تنظیم مؤتمر اسلامی کی قراردادوں کے مطابق کوشش کرے۔ (۶) یہ کانفرنس ان بین الاقوامی کوششوں کا خیر مقدم کرتی ہے جو مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بقائے باہم کے سلسلے میں ہورہی ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتی ہے کہ اکیسویں صدی میں صحیح اخلاقی اقدار کی ترویج کی جائے تاکہ انسان کو مادی طاقت اور قوت کے غرور سے بچایا جاسکے۔ (۷)۔ یہ کانفرنس اسلامی ممالک سے اپیل کرتی ہے کہ وہ مسلم قوموں اور ملکوں کو جارحیت کے خلاف متحد کرنے کیلئے ضروری اقدامات اقوام متحدہ کی قرارداد (دفعہ ۵۱) کے تحت کریں۔ (۸)۔ یہ کانفرنس بین الاقوامی معاشرہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ پوری دنیا سے تمام ہلاکت خیز اسلحہ بغیر کسی استثناء کے ختم کرنے کے سلسلے میں ضروری اقدامات کرے۔

اقتصادیات میں اسلام کا عالمی موقف: یہ کانفرنس تلقین کرتی ہے کہ اسلام کے اقتصادی اصول وضوابط کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لے کر تمام نئے وسائل کے ساتھ ان کی نشرواشاعت کی جائے اور ان کی تطبیق میں پوری کوشش کی جائے۔ ان میں سے بعض اصول ومبادی حسب ذیل ہیں (۱)۔ آزاد اقتصادیات اور مارکٹ میکانزم کے اصولوں پر اعتماد کیا جائے، جیساکہ حسب ذیل قرآنی ہدایت سے ہمیں روشنی ملتی ہے: "اے ایمان والو! اپنے اموال آپس میں ناجائز طریقے سے مت کھاؤ، سوائے اسکے کہ وہ تجارت ہو جو آپس کی رضامندی سے عمل میں آئے"۔ (نساء: ۲۹)

اور اس سلسلے میں بعض احادیث بھی وارد ہیں اور یہ چیز موجودہ اسلامی ممالک کے درمیان آزاد اقتصادیات کی طالب ہے جو قیود وشرائط کے ساتھ ہے۔ (۲)۔ اسلامی ممالک آزاد اقتصاد اور بازار میکانزم میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے احتراز کریں اور یہ بات مالداروں اور غریبوں کے سلسلے میں اسلام کی مقرر کردہ مشترکہ ذمہ داریوں کے اصول کے مطابق ہو۔ (۳)۔ سودی معاملات سے دور رہنا اور علماء مسلمین کو اجتہاد پر ابھارنا چاہئیے تاکہ وہ جدید احوال کے مطابق نئے فارمولے تلاش کرسکیں۔ (۴)۔ اسلامی ممالک اور دنیا کے دیگر ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون کے طور طریقوں کو بڑھاؤ دینا چاہئیے۔ (۵)۔ یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ اسلامی

ممالک مشترکہ ذمہ داریوں کے حصول کے تحت جو معاہدات عمل میں آچکے ہیں ان کے نفاذ کے سلسلے میں فوری اقدامات سے کام لیں۔ (۶)۔ تنظیم مؤتمر اسلامی نے ۱۹۸۹ء میں جو قراردادیں منظور کی تھیں اور خاص کر مشترکہ اسلامی مارکیٹ کے سلسلے میں، انہیں نافذ کیا جائے اور اس بارے میں حسب ذیل دوشقوں پر عمل کیا جائے: (الف) اسلامی ممالک کے درمیان مشترکہ اقتصادی منصوبوں کی ہمت افزائی کی جائے۔ (ب)۔ اس طرح کا ضروری نظام قائم کیا جائے جو اسلامی ممالک کے درمیان تجارتی سامان کے تبادلے، سیاحت اور دیگر خدمات کے فروغ میں معاون ومددگار بن سکتے ہوں۔ (۷)۔ اسلامی ممالک میں جو کثیر قدرتی اور انسانی وسائل موجود ہیں ان سے استفادہ کے لئے باہمی یکجہتی اور تعاون کے ساتھ نظم کیا جائے۔ (۸)۔ یہ کانفرنس سلامی ممالک کو غیر اسلامی ممالک پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے سرمایہ کاری کرنے کے سیاسی و قتصادی خطرات پر متنبہ کرتی ہے۔

سائنسی میدان میں اسلام کا عالمی موقف: فکری اور سائنسی میدانوں میں مسلم سائنس دانوں کا ایک سنہرا دور رہا ہے جب کہ انہوں نے تہذیبوں سے استفادہ کیا اور پھر انکی علمی تحقیقات اور کتابیں موجودہ یورپی ترقی کی بنیاد بنیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ اسلام کے تہذیبی دور کو واپس لایا جائے تاکہ ہم سائنسی ترقی اور جدید ٹیکنالوجی کے قافلے میں شامل ہو جائیں۔ لہذا یہ کانفرنس حسب ذیل سفارشیں کرتی ہے:

(۱)۔ پورے عالم اسلام میں موجود تحقیقی اداروں کے درمیان ہو رہی جدوجہد میں یکسانیت پیدا کی جائے اور اس کے ساتھ تطبیقی تحقیقات کا اہتمام کیا جائے جو زراعت، صنعت اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اقتصادی ترقی کے اغراض کو پورا کرنے والی ہوں۔ اسی طرح یہ کانفرنس ان تحقیقی کوششوں کو سراہتی ہے جو یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور مسلم یونیورسٹیوں کی رابطہ کمیٹی اکیسویں صدی میں امت اسلامیہ کو درپیش چیلنجوں کے مطالعہ کے سلسلے میں انجام دے رہی ہیں۔ (۲)۔ عالم اسلام میں موجود تحقیقی اداروں، یونیورسٹیوں اور مختلف علمی مرکزوں کے درمیان معلومات کے تبادلے کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ معلومات میں باقاعدگی پیدا ہو اور مشترکہ سائنسی اغراض پورے ہوں تاکہ ان کے ذریعہ مشترکہ سائیسی منصوبوں کو روبعمل لانے

کے سلسلے میں ایک حکمت عملی تیار کرنے میں مدد مل سکے۔ (۳)۔ سائنسی تحقیقات کے لئے مالی تعاون زیادہ کیا جائے خواہ وہ حکومتی میزانیہ سے ہو یا قومی اداروں اور کمپنیوں کی جانب سے۔ (۴)۔ ترقی یافتہ دنیا سے استفادہ کیلئے کھلا ذہن اختیار کرنا اور ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے حصول کیلئے ہر ممکن کوشش کرنا۔ (۵)۔ عالم اسلام میں پھیلے ہوئے مختلف ممالک کے سائنس دانوں اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں موجود مسلمان سائنس دانوں کے درمیان سائنسی تبادلہ خیال اور بحث و مباحثہ پر زور دیا جائے۔

اعلان قاہرہ : قراردادوں کی کاپیاں عربی اور انگریزی میں تمام نمائندوں میں تقسیم کی گئیں اور اس کے ساتھ ہی کانفرنس کا اختتام ہو گیا۔ قراردادوں کے علاوہ "اعلان قاہرہ" کے نام سے چار صفحات پر مشتمل ایک وضاحت نامہ بھی تقسیم ہوا، جس میں اہل اسلام کو تلقین کی گئی ہے کہ دنیا بھر کے تمام مسلمان پوری قوت اور عزم و حوصلے کے ساتھ اکیسویں صدی میں جانے کی تیاری کریں اور آپس کے اختلافات کو بھلا کر اسلام اور مسلمانوں کو غالب کرنے کی غرض سے متحد ہو جائیں۔ کیونکہ ایک ایسی امت کے لئے جو ایک عظیم الشان تہذیب کی مالک رہی ہے موجودہ دور کے احوال و کوائف سے کنارہ کش ہو کر اپاہجوں کی طرح بیٹھ جانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ جدوجہد کر کے ایک نئی تاریخ بنائے اور اپنا رہبرانہ کردار پوری طرح ادا کرے۔ کیونکہ عالم انسانی کی سعادت و بھلائی امت اسلامیہ ہی سے وابستہ ہے۔

کانفرنس پر ایک نظر : یہ کانفرنس نہایت درجہ اہم اور عظیم الشان تھی، جس میں دنیا بھر کے نمائندے اور اہل فکر و نظر جمع تھے اور حکومت مصر نے نہایت درجہ فراخ دلی کے ساتھ مہمانوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھا اور اسکی کامیابی پر کروڑوں روپے خرچ کئے لیکن بایں ہمہ انتظامی اعتبار سے کچھ بد نظمی اور بے قاعدگی بھی دکھائی دی اور اس میں وہ جوش و خروش نظر نہیں آیا جو اکیسویں صدی میں جانے کیلئے ضروری ہے۔ ان کوتاہیوں کے باوجود علمی اعتبار سے یہ کانفرنس بے حد اہم تھی۔ کیونکہ عصر جدید میں ملت اسلامیہ کو جن مسائل اور چیلنجوں کا سامنا ہے انہیں ابھار کر پیش کیا گیا اور ان موضوعات پر نہایت درجہ قیمتی مقالات جمع ہو گئے۔ ملت کے مفکرین اور اہل قلم نے نہایت درجہ جانفشانی کے ساتھ اپنے تحقیقی مقالات پیش کئے اور تقریریں کیں۔ ان

علمی مقالات کو سامنے رکھ کر اہل علم و قلم اس سلسلے میں مزید تحقیقی کام کر سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے اس کانفرنس کے منتظمین مبارکبادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اہل علم کے سامنے کام کرنے کیلئے موضوعات رکھ دیئے ہیں۔ وہ مسائل و موضوعات جو امت کے لئے اس وقت زندگی اور موت کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی امت کو اگر جینا ہے تو ان زندہ مسائل کو حل کر کے جئے اور ترقی یافتہ قوموں کے قافلے میں شامل ہو جائے ورنہ اگر مرنا ہے تو پھر پس ماندہ رہ کر اور ترقی یافتہ قوموں کی باجگزار بن کر غلامانہ حیثیت سے زندگی بسر کرے۔ پہلی صورت میں اس کی زندگی اور اس کا عروج ہے تو دوسری صورت میں اس کا زوال اور اس کی موت ہے۔ بہر حال اسے اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جو چیز پسند ہو اسے منتخب کرلے۔ الغرض یہ ایک زندہ کانفرنس تھی جو زندہ مسائل و موضوعات پر کام کرنے اور اسلام جیسے زندہ مذہب کے تحت امت مسلمہ کے تن مردہ میں زندگی کی روح پھونکنے کی غرض سے منعقد کی گئی تھی تاکہ یہ امت "مرد بیمار" بنے رہنے کے بجائے "مرد میدان" بن کر کارگاہ ارضی میں اپنا رپارٹ پھر سے ادا کرنے کے قابل بن سکے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ دنیا کے ہر خطہ ارض میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہوں وہاں پر حرکت و بیداری پیدا ہو اور مسلمان اپنا جامہ کہن اتار کر عصری لباس زیب تن کرلیں اور نئی دور کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنے دین و ایمان کی مضبوطی کا سامان پیدا کریں۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے لہذا ضروری ہے کہ مسلمان نئے دور کے تقاضوں کے مطابق اقوام عالم سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبان میں بات کریں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو خلافت ارض کے میدان میں پھر سے غلبہ و شوکت حاصل ہو اور وہ وقار پھر سے حاصل کر سکیں اور اس مقصد کے لئے ہمارے علماء اور عمائدین کو آگے بڑھ کر ملت اسلامیہ کو دوبارہ منظم کرنا چاہیئے۔

اہل اسلام کا فریضہ : اب یہ اہل اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ ان جدید مسائل و موضوعات پر کام کر کے اس تحریک کو آگے بڑھائیں اور امت کو درپیش مسائل حل کر کے اس کے دکھوں کا مداوا کریں ورنہ آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ امت کو درپیش عصری مسائل پر علمی و تحقیقی کام کرنا اور اجتہادی طور پر نئے مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں نکالنا ہر دور میں ایک

فرض کفایہ ہے اور یہ کام ہر مسلم ملک وقوم میں ضرور ہونا چاہئیے اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اہل خیر حضرات کو باصلاحیت علماء کا تکفل کرنا اور انہیں معاشی ذمہ داریوں سے آزاد کرنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ آج ہندوستان جیسے ملکوں میں میلاالنبی ﷺ کے نام پر کروڑوں بلکہ اربوں روپئے اندھادھند اور بلا مقصد محض میلوں ٹھیلوں پر خرچ ہورہے ہیں۔ اگر یہی روپیہ تحقیقی کاموں پر خرچ کرکے اور عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق نئے انداز کا لٹریچر مختلف زبانوں میں تیار کرکے اس کی صحیح طور پر نشرواشاعت کی جائے تو کایا پلٹ سکتی ہے اور فکری دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب آسکتا ہے۔ اسی طرح تعلیمی ومعاشی میدان میں بھی ملت کو آگے بڑھاکر اسے صف اول کی قوموں میں شامل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حکومت مصر کا یہ اقدام نہایت درجہ مستحسن ہے کہ وہ پچھلے دس سال سے مسلسل میلادالنبی ﷺ کے موقع پر علمی کانفرنسوں کا انعقاد کرکے ایک اچھی مثال قائم کردی ہے اور اسکے اچھے نتائج نکل رہے ہیں اور امت میں ایک عام بیداری پیدا ہوگئی ہے۔ لہذا ملت کے ارباب فکر اس پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور کریں اور ملت کے وسائل کو اندھادھند خرچ کرکے انہیں ضائع کرنے کے بجائے صحیح معارف میں صرف کریں۔ جو ملت عصری تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہوئے قدیم روش ہی پر اڑی رہے تو اسے ترقی یافتہ قومیں روندتے ہوئے آگے بڑھ جائیں گی اور پھر ہماری بے وجہ موت پر نہ زمین روئے گی اور نہ آسمان آنسو بہائے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ ارباب ملت وقت کی رفتار اور اس کے دھارے کو دیکھیں اور صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کریں۔ وما علینا الا البلاغ۔

ندوی احباب سے ملاقات: قاہرہ میں بہت سے ندوی اونچی تعلیم حاصل کرنے اور علمی موضوعات پر ڈاکٹریٹ کرنے کی غرض سے مقیم ہیں اور یہ سلسلہ ایک عرصہ دراز سے قائم ہے۔ چنانچہ یہاں سے بے شمار ندوی اب تک فارغ ہوکر عالم اسلام میں مختلف عہدوں پر فائز ہیں۔ اس وقت جو ندوی طلبہ جامع ازہر اور قاہرہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں ان کی تعداد دس بارہ ہے۔ ان میں مولانا عبدالمجید ندوی یہاں پر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد قاہرہ ریڈیو سے منسلک ہوگئے ہیں اور بیس سال سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔ وہ ہماری آمد کی خبر سن کر کانفرنس کے دوسرے دن ہم سے ملنے کیلئے ہوٹل ماریٹ چلے آئے۔ ان کے ذریعہ مصر کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوئیں

ور انہوں نے قاہرہ ریڈیو کی اردو سروس کیلئے میرا ایک انٹرویو بھی لیا۔ ان کے علاوہ حیدر آباد کے مولوی عبدالسمیع ندوی جو قاہرہ یونیورسٹی سے ایم اے کر رہے ہیں اور الہ آباد کے مولوی جمال ندوی جو جامع ازھر سے بی اے کر رہے ہیں دونوں نے مجھ سے کانفرنس کے آخری دن ملاقات کی ۔ میں نے انہیں بتایا کہ کانفرنس کے اختتام کے بعد میں قاہرہ میں مزید ایک ہفتہ رہنا چاہتا ہوں اور مجھے کسی درمیانی درجے کے ہوٹل کی ضرورت ہے تو ان دونوں نے مجھے اپنے یہاں ٹھہرانے کی پیشکش کی۔ چنانچہ یہ دونوں نہ صرف میری متعدد کتابیں پڑھ چکے ہیں بلکہ وہ میرے افکار و نظریات سے بھی بے حد متاثر ہیں، اس لئے جب انہوں نے اس پر اصرار بھی کیا تو میں ان کی پیش کش کو ٹھکرا نہ سکا اور ان کی حامی بھر لی۔ چنانچہ کانفرنس کے اختتام کے بعد میں ہوٹل ماریٹ چھوڑ کر مدینۃ النصر منتقل ہو گیا جو کانفرنس کے مقام سے کافی فاصلے پر ہے۔ ان دونوں نے مدینۃ النصر میں کرائے کا ایک فلیٹ لے رکھا ہے اور ان کے ساتھ ان کے مزید دو ساتھی مولوی عمران ندوی فراہی اور مولوی عزیز ندوی بھی رہتے ہیں۔ اول الذکر قاہرہ میں چھ سال سے مقیم ہیں اور مولانا اشرف علی تھانوی کے فقہی مسائل پر ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں اور ثانی الذکر چودھویں صدی کے ہندوستانی مفسرین (عربی) پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔ ان سبھوں نے ایک بزرگ ندوی سمجھ کر ناچیز کی خوب خدمت کی اور قاہرہ کی سیر و سیاحت میں بھی پوری طرح تعاون کیا۔ یہاں پر مجھے نہ صرف گھر کا سا آرام ملا بلکہ قاہرہ اور مصر کے بارے میں بہت سی قیمتی معلومات بھی حاصل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ بہر حال کانفرنس کے اختتام کے بعد قاہرہ میں ایک ہفتہ قیام کرنے اور یہاں کے تاریخی مقامات دیکھنے کا موقع ملا اور سب سے بڑھ کر قاہرہ میوزیم میں فرعون موسیٰ (رمسیس ثانی) کی حنوط شدہ لاش کا مشاہدہ کیا جو قرآن عظیم کی صراحت کے مطابق آج پوری دنیائے انسانیت کے لئے ایک درس عبرت بنی ہوئی ہے۔ اور یہ قرآن عظیم کے زندہ معجزات میں سے ایک ہے۔ انشاء اللہ اسکی تفصیل نیز یہ کہ قاہرہ میں کیا دیکھا اور کیا سنا؟ یہ سب کچھ "سفر نامہ ء مصر" کے عنوان سے ایک الگ مضمون میں پیش کروں گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب پروفیسر محمد معین الدین صاحب (کراچی)

اسلام کا تعزیری نظام اور انسدادی تدابیر

اسلامی نظام نے جرائم کے انسداد میں سب سے زیادہ اہمیت ان امور کو دی ہے جو جرائم کا باعث یا محرک بنتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں افراد کے درمیان اس طرح تعلقات کو استوار کیا جاتا ہے کہ وہ ایک صحت مند معاشرہ کے رکن بنیں۔ ایسے معاشرہ کے رکن ہوں جہاں افراد کے مفادات ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا احترام کیا جائے۔ اس کیلئے قرآن اور سنت کی تعلیمات پر مبنی ایک جامع اخلاقی ضابطہ استوار کیا گیا ہے۔ جرائم کے انسداد کے لئے واحد ذریعہ جو سب سے زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے وہ سزا دینا ہے۔ جرم کے ساتھ سزا کا تصور لازم و ملزوم ہے۔ یہی خیال مغربی مفکر بینتھم کا بھی ہے، لیکن بالواسطہ طریقہ سے بھی انسدادی تدابیر مؤثر ثابت ہو سکتی ہیں، بالفاظ دیگر جرم کے سدباب کے لئے قانون سازی کے دو طریقے ہیں

(۱) براہ راست (۲) بلاواسطہ۔

براہ راست قانون سازی سے مرتکب جرم کو سزا دے کر روک تھام کی جاتی ہے لیکن بلاواسطہ قانون سازی انسدادی اور احتیاطی دونوں تدابیر پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً خلاف قانون مجمع کو منتشر کرنا، حفظ امن یا نیک چلنی کیلئے کسی شخص کو ضمانت یا مچلکے کا پابند کرنا دفعہ (۱۴۴) کے ذریعہ پابندیاں عائد کرنا وغیرہ۔ براہ راست قانون سازی سے مجرم کو اس کی بے راہ روی کی سزا دی جاتی ہے اور بلاواسطہ قانون مجرم کے اقدام جرم کے اندیشوں سے بٹتا ہے۔ ان اندیشوں کا پتہ چلانے کیلئے خفیہ اور پوشیدہ ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں اور بقول بنتھم بلاواسطہ طریقہ یہی زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے کیونکہ ہمارے موجودہ قانون تغیرات میں بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں کیونکہ تعزیزی قانون اس وقت حرکت میں آتا ہے جب مجرم اپنا کام ختم کر چکا ہوتا ہے مثلاً قتل، ڈاکہ اور سرقہ کے ارتکاب کے بعد پولیس اطلاع ملنے پر تفتیشی کاروائی کرتی ہے نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مجرم کو سزا دینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد اس میں عموماً جرم کی صلاحیت استوار ہو جاتی ہے یعنی ہماری اکثر سزائیں بے اثر ہوتی ہیں یا مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کرتیں۔ تعزیری قانون کی تیسری

خرابی یہ ہے کہ سزا دینا بھی کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی برائی ہے جو مجبوراً اختیار کی جاتی ہے ۔کسی بھی ملک کے موجودہ مجموعے تعزیرات پر سرسری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ قانون کی دھمکیوں اور لاتعداد پابندیوں یا تعزیری کاروائی میں سینکڑوں خرابیاں پائی جاتی ہیں یعنی یہ کہ طویل مراحل کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ملزم بے قصور اور معصوم پایا جاتا ہے گویا ہمارا قانون مجرم اور بے گناہ میں آسانی سے فرق نہیں کر سکتا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عدالتوں سے سینکڑوں بے گناہ سزا پاتے رہتے ہیں اور جج یا حاکم عدالت بھی تو انسان ہونے کے ناطے سے غلطیاں کر سکتے ہیں۔ اس طرح لاتعداد جرائم کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اکثر سنگین واقعات کی پولیس میں رپورٹ بھی درج نہیں کرائی جاتی۔ ملزم قانونی موشگافیوں کے باعث یا تو سزا سے بچ جاتے ہیں یا بعض صورتوں میں رائے عامہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ہیرو بنا دیتی ہے اور ان کی حمایت کرتی ہے۔ گرفتاریوں پر مظاہرے، گرفتار شدہ اشخاص کی رہائی کیلئے جلسے جلوس یا ہڑتالیں روزمرہ کا معمول ہیں لہذا ہر ملک کے قانون ساز اداروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بلاواسطہ قانون سازی کے ذریعہ حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی اور انسدادی قانون سازی پر زیادہ توجہ دیں۔

بنتھم نے یہ کہا ہے کہ مجرموں کی بے راہ روی کو روکنے کیلئے مختلف طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں اور قانون کا یہ فرض ہے کہ بلاواسطہ طریقے اختیار کر کے جرم کے امکانات کو کم سے کم کیا جائے۔ مثلاً عوام کیلئے زیادہ سے زیادہ سیر و تفریح، کھیل کود، تھیٹر، مباحثے یا جسمانی ورزشوں کی جانب راغب کیا جائے تو جرائم کی تعداد میں کمی ہو سکتی ہے۔ جب ہم بنتھم کے تصورات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اس کا نظریہ رنج و راحت، خوشی و غم اور متبادل سزا کا تصور مطلوبہ اغراض کو پورا نہیں کرتا، کیونکہ کسی شخص کو خوشیوں سے محروم کر کے بھی سزا دی جاسکتی ہے۔ اخلاقی تعلیم، خدا کا خوف، معاشرے کی نکتہ چینی، سیر و تفریح کے لئے باغات، فنون لطیفہ اور مذہبی تعلیم کو بلاشبہ بڑی اہمیت دی جاتی ہے، لیکن بنتھم کے تجویز کیے ہوئے بلاواسطہ طریقے بھی بعض اوقات کارگر ثابت نہیں ہوتے۔ بنتھم نے اسلامی سزاؤں پر تنقید کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جب اسلامی تعلیمات اور اخلاقی اقدار بے اثر ہونے لگیں تو پیغمبر اسلام نے منشیات کے استعمال پر پابندی عائد کر دی تاکہ لوگ نشہ میں مدہوش ہو کر تہذیب اور شائستگی کے خلاف

حرکات نہ کرنے لگیں۔ بنتھم کی یہ تنقید اسلامی اصول جرم اور اخلاقی ضابطہ سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے نشیلی اشیاء پر قطعی پابندی عائد کر کے اس برائی کا بالکل خاتمہ کر دیا ہے۔ اسلامی قانون کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سزا و جزا کے ساتھ ساتھ روک تھام یا انسداد کی تدابیر بھی شامل ہیں۔

مغربی قوانین جرم کو ایک معاشرتی برائی تصور کرتے ہیں ان کے مطابق ہر جرم میں دو خرابیاں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ہر جرم معاشرے کیلئے مضرت رساں ہوتا ہے۔ دوئم یہ کہ ہر قانون کی خلاف ورزی چند اخلاقی قدروں کو پامال کرتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی قوانین فرد اور معاشرے دونوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن القیم نے کم و بیش ۹۹ انسدادی تدابیر بیان کی ہیں جن کے مطابق شریعت کے نقطہ نظر سے جرائم کے انسداد میں بڑی مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر "زنا" جیسے سنگین اور گھناؤنے جرم پر غور کیجئے، تو پتہ چلے گا کہ اس جرم کے ارتکاب اور انسداد کیلئے بے شمار احتیاطی تدابیر بنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ عورتیں اپنے قدموں کی چاپ یا پازیب کی آواز کسی کے کان تک نہ پہونچنے دیں۔ پائل کی جھنکار سے بدکردار عورتیں مردوں کی توجہ اپنی جانب منعطف کرواتی ہیں۔ اس حکم کا منشا یہ ہے کہ کسی عورت کی غفلت میں خلل پڑنے کا کوئی موقع پیش نہ آئے لیکن مردوں اور عورتوں کے مزاج میں اختلاف اور ماحول نیز جغرافیائی حالات کے باعث مزید احتیاطی تدابیر کے طور پر عورتوں کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے سینوں کو کھلا نہ رکھیں اور ایسا لباس استعمال نہ کریں جو ان کی فطری حیاء اور شرم کے منافی ہو۔ غالباً اسی لئے عورتوں اور مردوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں۔ عورتیں اپنے چہروں کو اپنے شوہروں، قریبی رشتہ داروں، کنیزواں، غلاموں، خادموں اور بچوں کے سامنے کھلا رکھ سکتی ہیں۔

مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھٹنے سے ناف تک کے حصے کو ڈھکا رکھیں۔ عورتیں اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کلائی تک کھلا رکھ سکتی ہیں۔ ان احتیاطی تدابیر کو سطر کہا جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ عورت کی آواز بھی سطر مین شمار ہوتی ہے ورنہ عورتوں کی دلکش اور میٹھی آواز سے مردوں کو کشش اور رغبت پیدا ہو سکتی ہے۔ نگاہوں سے بھی جذباتی اور جنسی کشش پیدا ہو سکتی ہے۔ انہی مصلحتوں کے مد نظر آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو مردوں سے دور رہنے کی اس حد تک اجازت

فرمائی ہے کہ دونوں ساتھ مل کر قرآن مجید کی تلاوت بھی نہیں کر سکتے۔ دونوں کو ساتھ سفر کرنے حتیٰ کے حج کرنے تک کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مذکورہ بالا احتیاطی تدابیر کے پیش نظر زنا کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مگر اسکے باوجود اگر کوئی شخص زناکاری کا مرتکب ہو تو اس کیلئے کوڑے مارنے یا سنگسار کرنے کی سخت سزا رکھی گئی ہے۔ اسی طرح اسلام نے شراب اور منشیات کے استعمال پر پابندی عائد کر کے اسے حرام قرار دیا۔ شرعی قوانین نے امتناعی تدابیر کے علاوہ تادیبی احکام کے ذریعہ اس لعنت کی روک تھام کی۔ قرآن مجید نے شراب نوشی اور قماربازی کو شیطانی فعل قرار دیا۔ سماجی برائیوں کی طرح معاشی برائیوں کو ختم کرنے کیلئے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں عبداللہ یوسف علی نے کہا ہے کہ ہمارے فقہاء کرام نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ لہذا تجارتی فوائد سے ہٹ کر قرضے سے ناجائز فائدہ حاصل کیا جائے تو اسے سود شمار کیا جائیگا۔ یہی حال کھانے پینے کی اشیاء گیہوں، جو، کھجور اور نمک کا ہے۔ اسلام نے ذخیرہ اندوزی کی بھی ممانعت کی ہے۔ کیونکہ اس طریقہ کار سے بھی ناجائز فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے مالکی مکتبہ فکر کے علماء کا قول ہے کہ ناجائز فائدہ حاصل کرنا یا کسی فریق کو نامناسب نقصان پہنچانے والا کا ہر کاروبار ناجائز اور حرام ہے۔ اسکی چار صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً ہر ایسا فعل جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے، دروازے کے آگے یا پیچھے اس غرض سے گڑھا کرنا کہ ہر آنے جانے والا اس میں گر پڑے فعل ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح عام گزرگاہ پر رکاوٹیں کھڑی کرنا جس سے عوام کو آمدورفت میں ضرر پہنچے ممنوع فعل ہے۔ اسکے علاوہ ایسی تمام خرید و فروخت جس سے ناجائز نفع اندوزی مقصود ہو ناجائز تصور کی جاتی ہیں۔ مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں ریاست میں ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی ریاست میں ایک صالح، پاکیزہ اور قابل عمل نظام عدل وانصاف کو کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں یہ بخوبی علم ہے کہ قضاء اور احتساب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور جبتک احتساب کو مؤثر نہیں بنایا جاتا اس وقت تک ایک فعال اور قابل عمل نظام **Adminstration of Justice** ممکن نہیں ہے، اس لئے ہم ایک اجمالی خاکہ اسلامی نظام احتساب کی تاریخ کا پیش کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ پاکستان کی معروضی صورت حال کے پس منظر میں چند تجاویز موجودہ نظام قضاء وانصاف کو بدلنے اور نظام احتساب کو مؤثر بنانے کیلئے پیش کریں گے۔

اسلام کا نظام احتساب : اسلام کا نظام احتساب ہمہ پہلو ہے۔ اسلامی شریعت میں اسکے ماننے والوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے دوسروں کو منع کریں۔ اس کام کو" امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کہا گیا ہے۔ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ ہر مسلمان کے ذمے ہے۔ بنیادی طور پر ہر مسلمان اس کا مکلّف ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموالصلوۃ واتوالزکوۃ وامروبالمعروف ونھواعن المنکر (الحج :۴۱)

ترجمہ : یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں گے ، زکوٰۃ دیں گے ، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے :ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولیٰک ھم المفلحون (آل عمران :۱۰۴)۔ (ترجمہ) :اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیکی کو رائج کرنے اور برائی کو روکنے کا کام ہر مسلمان کا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کیلئے اجتماعی کوششیں بھی ہونی چاہئیے اور جب معاشرتی زندگی بہت پیچیدہ ہو جائے اور برائی اپنے حجم کے اعتبار سے بہت بڑھ جائے کو ریاستی سطح پر ایک ادارہ کا ہونا ضروری ہے۔ عہد رسالت میں جب مدینہ میں اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو ریاست کے جملہ امور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں مرتکز ہو گئے۔ آپ مصلح بھی تھے اور سپہ سالار بھی، اخلاقیات کا درس دینے والے بھی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنے پر سرزنش کرنے والے اور موقع کے مطابق سزا دینے والے بھی۔ کتب حدیث اور تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پولیس، احتساب یا شرطہ نام کا کوئی باقاعدہ ادارہ موجود نہ تھا۔ سزاؤں کے ضمن میں آپ کے دور میں معمولی سرزنش مار پیٹ اور کوڑے مارنے کی سزا سے لیکر سنگسار کرنے کی سزا تک ثابت ہے۔ اس دور کے نظام احتساب کو اگر اختصار سے بیان کیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

(۱) نیکی کے فروغ اور برائی کے سدباب کیلئے آپ خود بازاروں میں گشت کرتے اور موقع و محل کے مطابق احکام صادر فرماتے۔ (۲) سزاؤں میں قید کی سزا دینا بھی آپ سے ثابت ہے جس کی صورت مسجد کے ستونوں سے باندھ دینا ہوتی تھی۔ (۳) سنگین جرائم کی صورت میں حدود کا اجراء بھی

کرتے اور سخت تعزیری سزائیں بھی دیتے تھے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مقرر کر رکھا تھا۔ جنہیں یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی کو محبوس کریں۔ ماریں یا گرفتار کریں۔ (۴) صحابہ کرام کسی کو ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب کرتے دیکھتے تو پکڑ کر حضور کے پاس لے آتے، جو مناسب فیصلہ کرتے۔ (۵) مجرموں کی گردنیں اڑانے کیلئے آپ نے حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ، حضرت مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت ضحاک بن سفیان کلابی کو مامور کر رکھا تھا۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ احتساب کا نظام اس شکل میں موجود نہ تھا جس شکل میں خلافت راشدہ کے دور میں تھا۔ احتساب سے متعلق بعض معاملات آپ ﷺ خود ہی ادا کرتے تھے۔

ادارہ احتساب کا تدریجی ارتقاء : قرآن مجید میں احتساب کے متعلق واضح احکامات ملتے ہیں جن سے ہمیں راہنمائی ملتی ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ فرد سے لیکر اجتماعی طور پر احتسابی عمل کو جاری کرنا ہے۔ عہد رسالت میں ریاست کے جملہ امور آپ ﷺ کی ذات میں مرتکز ہو گئے تھے۔ اس دور کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ محتسب کے فرائض آپ ﷺ انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلامی ریاست مدینہ شہر کی حدود سے نکل کر باہر تک پھیل گئی تو آپ نے اس کام پر کچھ اور اصحاب کو مامور کیا۔

عہد صدیقی میں احتساب کا نظام : حضرت ابوبکرؓ بھی رسول کریم ﷺ کی طرح بازاروں میں گشت کرتے اور اصلاح احوال کرتے۔ اس حد تک تو رسول کریم ﷺ کے نظام احتساب کو آپ نے برقرار رکھا لیکن اس دور میں احتساب کے نظام میں نہ وسعت ہوئی اور نہ بڑی تبدیلی عمل میں آئی۔

عہد فاروقی میں احتساب کا نظام : حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام کے نظام احتساب کو بہت ترقی ہوئی۔ آپ کے دور میں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عام رعایا کی جان و مال اور بلند اخلاق کے تحفظ کے لئے بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔ آپ اعلیٰ سرکاری حکام اور حکومت کے دیگر ملازمین کی سخت نگرانی کرتے تھے۔ احتساب سے قبل ان کے بارے میں اپنے ذرائع سے خفیہ معلومات حاصل کرتے۔ خلافت راشدہؓ کے بعد بھی ہمیں نظام احتساب جاری و ساری نظر آتا ہے۔ کہیں ہمیں محتسب کیلئے صاحب السوق یا عامل السوق کے الفاظ استعمال ہوتا ہوا نظر آتا ہے، کہیں وہ قاضی کے اختیارات رکھتا تھا، کہیں اس کے پاس پولیس کے اختیارات تھے، لیکن جوبات

سامنے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ قضاء کا نظام احتساب کے نظام سے الگ ہے۔ اگرچہ دونوں کے فرائض واختیارات اکثر وبیشتر مقامات پر مشترک ہیں۔

قضا اور احتساب میں مماثلت اور دونوں میں باہمی فرق : اسلامی نظام قضا ارتقائی عمل سے گزرا۔ رسول کریم ﷺ کے دور میں قضا کی جو ہیئت تھی وہ بعد میں نہ رہی۔ اور بعد میں اس نے ایک الگ محکمہ کی شکل اختیار کرلی۔ لیکن اس کے بنیادی تصورات وہی رہے جو شروع میں تھے۔ نظری اعتبار سے ہمیں قضا اور احتساب کے نظام میں کئی مقامات پر گہرا تعلق نظر آتا ہے۔ ان میں سے ایک تعلق یہ ہے کہ دونوں کے فرائض میں عوام الناس کے حقوق شامل ہیں۔ محکمہ قضاء اور محکمہ احتساب دونوں کو پولیس کی معاونت حاصل ہوتی ہے۔ قاضی کسی کا کھویا ہوا حق اسی صورت میں واپس دلا سکتا ہے جب سائل قاضی کے پاس اپنا دعوے لیکر آئے۔ محتسب پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے وہ جہاں دیکھتا ہے کہ کسی کی حق تلفی ہو رہی ہے از خود مداخلت کر کے قانون نافذ کرتا ہے۔ قاضی باعتبار منصب ایسا نہیں کر سکتا گویا دونوں میں کام کی نوعیت کے لحاظ سے فرق نہیں بلکہ طریق کار کے لحاظ سے فرق ہے۔

محتسب اپنی صوابدید پر جب چاہے پولیس کو حکم دیکر مجرم کی سرکوبی یا گرفتاری کے لئے کہہ سکتا ہے البتہ قاضی کے لئے پولیس کا یہ اختیار محدود ہے۔ وہ پولیس کا تعاون وہیں حاصل کرتا ہے جہاں فریقین میں سے کوئی ایک عدم تعاون کی راہ اختیار کرتے ہوئے عدالتی عمل میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہو۔ محتسب کو مکمل عدالتی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ بعض مقدمات میں مجرم کو گرفتار کر کے عدالت کے سامنے لانا بھی محتسب کے ذمہ ہے یہاں گویا وہ عدالت کا معاون ہے۔

محکمہ احتساب بعض اعتبار سے کئی انتظامی اختیارات رکھتا ہے جن کے باعث بیشتر جرائم سرسری کاروائی کے بعد ختم کئے جا سکتے ہیں۔ قاضی کے لئے ایسے فیصلے کرنا قرین مصلحت نہ ہو۔ قضا اور احتساب کے نظام کا گہرا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں میں گہرا ربطہ اور تعلق ہے۔ دونوں ایک ہی مقصد کے حصول کیلئے نظام سلطنت کے معاون ہوتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ کہیں قاضی کے اختیارات محتسب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ کہیں محتسب قاضی کی معاونت کرتا نظر آتا ہے۔ کسی معاملہ میں قاضی مداخلت نہیں کر سکتا جب کہ محتسب خود آگے بڑھ کر فریقین میں

عدل قائم کرتا ہے۔ محتسب کے لئے مجتہد ہونا ضروری نہیں ہے اس کو تفویض کردہ معاملات انتظامی نوعیت کے ہیں اور سرسری سماعت کا تقاضا کرتے ہیں جن کے لئے گہرا مطالعہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو محتسب کا مرتبہ قاضی سے قدرے کم ہے اسی لئے یہ عہدہ قاضی کے ماتحت سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست میں محتسب کی ذمہ داریاں : نظری اعتبار سے محتسب کے ذمہ دو بنیادی کام ہیں :(۱) کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے۔ (۲) کہ وہ لوگوں کو برائی سے روکے۔

ا۔ نیکی کا حکم دینا : نیکی کا حکم دینا تین طرح سے ممکن ہے۔

(۱) کہ وہ لوگوں کو حقوق اللہ ادا کرنے کی تلقین کرے۔ حقوق اللہ کی مزید دو قسمیں ہیں۔ (الف) لوگوں کو اجتماعی امور میں نیکی کا حکم دینا۔ مثلاً کسی بستی میں نماز کا اہتمام نہ ہونے پر محتسب بستی کے لوگوں کو توجہ دلائے اور نماز باجماعت کیلئے وسائل اکھٹے کرکے نماز کا اہتمام کرے۔ (ب) لوگوں کو انفرادی امور میں نیکی کا حکم دینا جیسے کوئی شخص نماز باجماعت میں تاخیر یا غیر حاضری کو عادت بنالے تو اسے توجہ دلا سکتا ہے۔

۲۔ وہ لوگوں کو حقوق العباد ادا کرنے کی تلقین کرے۔ حقوق العباد کی بھی مزید دو قسمیں ہیں (الف) عامۃ الناس کے اجتماعی حقوق کا تحفظ، جیسے کسی بستی میں پانی کے کسی بند کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو اور اس سے لوگوں کے جان و مال کو نقصان ہو رہا ہو تو محتسب بستی کے لوگوں کو بند کی مرمت پر لگا سکتا ہے تاکہ لوگوں کا نقصان نہ ہو۔ (ب) کسی خاص فرد کے حقوق کا تحفظ جیسے کوئی شخص اپنے نوکر سے غیر انسانی سلوک کر رہا ہو تو محتسب اسے روک سکتا ہے۔

۳۔ امر بالمعروف کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی معاملہ کا ایک پہلو تو حقوق اللہ کا احاطہ کرتا ہو اور دوسرا پہلو حقوق العباد کو ظاہر کر رہا ہو۔ مثال کے طور پر لڑکیوں کے سرپرست بلاوجہ ان کی شادیاں نہ کر رہے ہوں حالانکہ لڑکیاں شادی کرنا چاہتی ہوں تو محتسب لڑکیوں کے سرپرستوں کو ان کی شادی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

برائی سے منع کرنا : برائی سے منع کرنا یعنی نہی عن المنکر کی بھی تین اقسام ہیں۔ جو امر بالمعروف کے ضمن میں بیان کی گئی ہیں۔ مجموعی طور پر کچھ امور مندرجہ ذیل ہیں جنکو محتسب روک سکتا ہے۔

(۱) رمضان المبارک میں بغیر کسی عذر شرعی کے سرعام کھانا پینا (۲) کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کرنا (۳) کاروباری پیمانوں میں کمی کرنا (۴) بغیر اہلیت کے لوگوں کا علاج کرنا۔ (۵) طبیبوں کو زہر فروخت کرنے سے روکنا۔ موجودہ دور میں بغیر نسخ کے دوائیں بیچنے والے کیمسٹ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ (۶) کھانے پینے کی اشیاء کی صفائی کا خیال رکھوانا۔ (۷) غیر مرد اور عورت کا علیحدگی میں ملنا۔ (۸) مسافر گاڑیوں میں منظور شدہ تعداد سے زائد مسافر بٹھانا۔
(۹) ذخیرہ اندوزی کرنا۔

موجودہ قوانین سے مراد اگر پاکستان میں رائج **Anglo Saxon** قوانین ہیں جو ہمیں برطانوی دور غلامی میں ورثے میں ملے ہیں تو اس کے اندر رہتے ہوئے ہم اسلامی نظام احتساب کو مؤثر نہیں بنا سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہمیں **Criminal Proecdure** اور **CivilPenal.code** اور قانون شہادت کو بدلنا ہوگا یا ان میں مناسب ترامیم کرنی ہوگی۔ جب تک ہم احتساب کے عمل کو انفرادی سطح سے لیکر حکومتی سطح تک مورج اور مؤثر نہیں بناتے ہم ایک فلاحی اسلامی ریاست قائم ہی نہیں کرسکتے۔ ہمارے یہاں برسوں کی غلامانہ ذھنیت اور ایک اسلامی اخلاقی نظام کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ رجحان افراد میں پایا جاتا ہے کہ وہ انفرادی منفعت اور مفاد کو ریاست کے مفاد پر ترجیح دے رہے ہیں۔ قانون کی پاسداری کا جذبہ ختم ہوگیا ہے انکا نقطۂ نظر **Obedience to Law** کا نہیں ہے بلکہ **Evasion of Law** کا بن گیا ہے۔ یہ سب یوں ہوا کہ ہمارے ملک میں ایک مؤثر نظام احتساب نہیں ہے اور قوانین پر عمل کرتے ہوئے ہم **Discriminate** کرنے لگے ہیں سستا اور فوری انصاف فراہم کرنے میں ہم ناکام ہوگئے ہیں۔

نظام احتساب کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں ہمیں یہ بات ذھن میں رکھنی چاہیئے کہ احتساب اور نظام قضاء کا جولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب ہمارا نظام قضاء مؤثر ہوگا اور افراد کو سستا اور فوری انصاف مہیا کیا جاسکے گا تو ایک طرف تو عدالت اور خاص طور سے اعلیٰ عدالتوں میں مقدمے کی بھرمار نہ ہوگی تو دوسری طرف محتسب کو کام کرنے کیلئے ایک بہتر ماحول ملے گا اور اس کی دسترس میں مجرموں کی سرزنش آسان ہو جائے گی۔ قضاء اور احتساب کے اس دہرے عمل کو مؤثر بنانے

کیلئے ہمیں محکمہ پولیس کی موجودہ ساخت وہیئت کو بدلنا ہوگا اور اس کو محکمہ احتساب کے ماتحت لانا ہوگا۔ فی الوقت ہمارے یہاں قانون کے نفاذ کیلئے پولیس کے محکمہ اس طرح ہیں۔
(۱) محکمہ پولیس جس میں ٹریفک پولیس بھی شامل ہے۔ (۲) سی آئی اے (۳) انٹی کرپشن پولیس (۴) پولیس کا کرائم برانچ (۵) ایف آئی اے (۶) اسپیشل پولیس (۷) محکمہ جاتی پولیس جیسے آبکاری پولیس وغیرہ۔ ان محکموں کا کسی نہ کسی طرح واسطہ مختلف قسم کے جرائم کی روک تھام کرنا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان محکموں کی موجودگی میں جرائم روز افزوں ترقی کررہے ہیں اور رشوت کا بازار گرم ہے۔ لہذا اب اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ پولیس کے محکمہ کی از سر نو تنظیم کی جائے۔ اس سلسلے میں میری تجویز مندرجہ ذیل ہے :
(۱) ہر پچاس ہزار افراد کی آبادی پر ایک پولیس اسٹیشن قائم ہو۔ (۲) ہر پولیس اسٹیشن پر آبادی سے متعلق پوری تفصیل کمپیوٹر پر محفوظ کرلی جائے اور پولیس اسٹیشنوں کو کمپیوٹر کے ذریعہ ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کردیا جائے۔ (۳) اسی سطح پر ایک کمیٹی یا کونسل یا ضلعی عدالت بنائی جائے جو اسی علاقہ کے افراد پر مشتمل ہو۔ کمیٹی کے افراد با کردار متقی اور اچھی شہرت کے حامل افراد ہوں، انکی تعلیمی قابلیت کم سے کم گریجویٹ یا دار العلوم کی سب سے اعلیٰ سند ان کے پاس ہو ایسے افراد کی ایک سال تک قانون اور فقہ اسلامی کی تربیت دی جائے، یعنی یہ کمیٹی جیوری کے فرائض انجام دے۔ (۴) زندگی کے معمولی نوعیت کے واقعات، افراد کے درمیان تنازعات، عائلی مقدمات، زمین اور مکان سے متعلق تنازعات وغیرہ اس کمیٹی میں پیش کئے جائیں اور اس کے فیصلوں کو قبول کیا جائے۔ یہاں فریقین خود موجود ہوں اور اپنے گواہ پیش کریں۔ جن گواہوں کی فہرست فریقین کمیٹی میں جمع کرائیں ان کی حاضری کو اسلامی قانون شہادت کی رو سے لازمی قرار دیا جائے۔ (۵) اس علاقہ کے تھانہ اور پولیس کو اس کمیٹی کے ماتحت قانون کے فیصلوں پر عملدار کا پابند کیا جائے۔ (۶) اس کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ صوبائی یا فیڈرل محتسب کرتے رہیں۔ اس کمیٹی سے ہٹ کر معاشرہ میں بدعنویوں اور بے قاعدگیوں کی گرفت کرنے کیلئے جو محکمہ جاتی ادارہ ہیں ان کو بلدیاتی سطح پر مدغم Amalgamate کردینا چاہئے اور بلدیاتی اداروں میں مختلف امور کیلئے "عامل" مقرر ہوں جو بیک وقت بلدیہ میں عوامی نمائندوں اور محتسب کو جولبدہ ہوں۔

میرے خیال میں پولیس کے جو کثیر التعداد محکمے انسداد رشوت ستانی بد عنوانی اور لاقانونیت کیلئے قائم ہیں ان سبکو ختم کر کے صرف ایک ادارہ برقرار رکھا جائے جو Heinoos Crimes کے تدارک کیلئے ہو اور اس سلسلہ میں محتسب کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اس ادارہ کی وقتاً فوقتاً نگرانی کرتے ہوئے جہاں کہیں بھی مناسب ہو اس ادارہ کے ملازمین کی اصلاح اور سرزنش کرتا رہے۔

ہمارے ملک کے قانون میں ایک بنیادی تبدیلی / ترمیم یا اضافہ کیا جائے کہ جو سرکاری افسر غلط حکم نافذ کرے جس سے فرد کی یا عوام الناس کی حق تلفی ہوئی ہو تو اسکا ذمہ دار ذاتی طور پر اس افسر کو قرار دیا جائے اور اس کو اپنے اختیارات کے ناجائز استعمال کرنے پر سزا دی جائے اور اگر اس کے ناجائز حکم سے کسی کو مالی نقصان پہونچا ہو تو اس کی جائیداد سے ادا کیا جائے۔ یہ بات تجربہ میں آئی ہے کہ ایک ناجائز حکم پاس کرنے کے بعد اس افسر کا تبادلہ ہو جاتا ہے اور اسکی جگہ آنے والا افسر وہ ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ نہ تو غلط حکم پاس کرنے والے افسر کے خلاف کاروائی کیلئے کوئی قانون موجود ہے اور نہ ہی اس ناجائز حکم سے جو زیادتی کسی فرد یا افراد کو ہوئی ہے اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ نااہل یا بد عنوان سرکاری اہل کار کے خلاف محکمہ جاتی کاروائی کی جاتی ہے مگر وہ مؤثر یوں نہیں ہے کہ بد عنوانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ معاشرہ میں جاری وساری ہے اور جب تک محکمہ جاتی کاروائی کے اوپر محتسب کی نگرانی نہیں ہوتی یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا جائیگا۔ وفاقی محتسب ارڈی نینس ۱۹۸۳ء کو مندرجہ بالا تجاویز کی روشنی میں ہمہ گیر بنایا جائے اس کی موجودہ شکل صرف مشاورتی ہے، اس کو Prosecution کے اختیارات بھی ملنے چاہئیے۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ کے اختیارات میں بھی وسعت پیدا کرنی چاہیئے۔ فی الوقت وہ مروجہ قوانین میں ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دے سکتی ہے جو قرآن وسنت سے متصادم ہیں لیکن اپنے دیئے گئے فیصلوں پر فیڈرل گورنمنٹ یا صوبائی حکومتوں سے عمل درآمد نہیں کرا سکتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ محتسب کے ادارہ کو اتنا با اختیار بنایا جائے کہ اس کے سامنے کوئی بھی شخص خصوصی استحقاق نہ رکھتا ہو۔ ہر شخص کو اس کے سامنے جوابدہی کیلئے طلب کیا جا سکتا ہو۔ اس لئے موجودہ محتسب کے ادارہ کے ڈھانچہ کو مناسب غور وخوص کے بعد زیادہ اختیارات دے کر فعال بنایا جائے۔ آخر میں چند گزارشات ہماری موجودہ انتظامیہ (نوکر شاہی) کے بارے میں عرض کروں گا۔ ہمیں ایک

بیوروکریسی آزادی کے بعد ایسی ورثہ میں ملی جس کے خدوخال انگریزوں نے اپنی ضروریات، مصلحتوں اور حکمرانی کے مقاصد کے مطابق استوار کئے تھے اور وہ سامراجی مقاصد کو پورا کرتی تھی۔

تجربہ سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ انتظامیہ ایک آزاد قوم کے امنگوں کے مطابق نہیں ہے۔

ہمارے تجربہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ ہماری بہت سی خرابیوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک شفاف انتظامیہ کو پروان نہیں چڑھا سکے جس کے باعث ہمارے یہاں Abuse of Power ہر سطح پر ہورہا ہے اور یہ دوہرا عمل ہے چونکہ Democratic Culture ڈیمار کریٹک کلچر کو پیدا نہیں کرسکے۔ اور اس کی کوئی رمق ہمارے سیاسی نظام میں نہیں پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں کہ ہمارے یہاں قانون کے احترام کا فقدان ہے۔ اس لے ہر برسر اقتدار آنے والی سیاسی جماعت اور اس کے کرتادھرتا مخلص، ایماندار، محنتی افسران کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ قاعدے قوانین کو نظر انداز کرکے ان کے Dictates پر چلیں اور جب یہ روش عام ہوگئی تو بددیانت افسران Unscrupulous Adminestrators Officers کو موقع مل گیا کہ وہ من مانی کریں اور قانون وانصاف کا مذاق اڑائیں۔ اس لئے ایک انتظامی ٹربیونل قائم کیا جائے جہاں عام آدمی افسران کے ان فیصلوں کو چیلنج کرسکے جن سے مفاد عامہ پر ضرب پڑتی ہو یا اس کے ذاتی حق کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔ وہ افسران جن کو برسر اقتدار سیاسی جماعت کے کسی عہدیدار، منسٹر یا کسی اعلیٰ افسر کے غلط اور غیر قانونی حکم اور فیصلہ سے نقصان پہنچتا ہو وہ یہاں دادرسی کیلئے جاسکے۔ اس سے ایک طرف تو افسران مروجہ قاعدے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرسکیں گے تو دوسری طرف وہ اپنی سرکاری کام وذمہ داریوں کی بجاآوری میں قاعدے قوانین میں رہتے ہوئے آزاد ہوں گے اور کسی بھی سیاستدان واعلیٰ افسر سے اس لیے مرعوب اور متاثر Intimidete نہ ہوں گے کہ انہیں کسی کی ذاتی خواہشات کو پورا نہ کرنے پر نوکری سے نکال دیا جائیگا یا کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ جیسا کہ ماضی میں افسران کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہوا کہ انہیں نام نہاد بدعنوانیوں کے الزام میں بہیک جنبش قلم کی سیاست دان یاڈکٹیٹر کے حکم پر نوکری سے برخاست کردیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جناب ڈاکٹر نثار محمد اسسٹنٹ پروفیسر ، اسلامیہ کالج پشاور
جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالقیوم صاحب شعبہ فارمیسی جامعہ پشاور

نطفہ میں جینز (GENES) کا کردار

التقدیر فی النطفہ : جنین (EMBRYO) کے مستقبل کے تعین کے بارے میں قرآن کریم نے "قدر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قتل الانسان مااکفرہ من شیئٍ خلقہ، من نطفہ خلقہ، فقدرہ ---- (۱)

ترجمہ : لعنت ہو انسان پر کیسا سخت منکر حق ہے۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا۔ نطفہ کی ایک بوند سے اللہ نے اسے پیدا کیا۔ پھر اسکی تقدیر (مستقبل کی منصوبہ بندی) مقرر کی۔

لغت میں "قدر" کے معنی ہیں : کسی چیز کا پہلے سے تعین کرنا ، منصوبہ بندی کرنا، اندازہ مقرر کرنا (۲) لیکن جب یہ لفظ نطفہ سے متصل انسانی تخلیق کے حوالے سے استعمال ہو جائے تو پھر اس سے مراد جنین (EMBRYO) کے مستقبل کا تعین اور منصوبہ بندی ہے۔ قرآن کریم نے رحم مادر میں انسانی تخلیق کے عمل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) مجامعت کے بعد جب مرد و عورت کے تولیدی خلیئے آپس میں مل جاتے ہیں تو طبی اصطلاح میں اس نطفہ الامشاج کو زائیگوٹ (ZYGOTE) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ زائیگوٹ علقہ ، مضغہ ، عظام اور لحم کے مختلف مدارج سے گزر کر مکمل انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ (۲) تخلیق کے اس حصے میں درج بالا مدارج سے پہلے دونوں نطفوں میں موجود جینز (GENES) کے ذریعے جنین کے مستقبل کے بارے میں اہم فیصلے کئے جاتے ہیں۔ جس میں جنین کی شکل وصورت ، رنگ ، رویہ ، خوش بخت یا بد بخت ہونے کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ بعض خصوصیات انسان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملتی ہیں۔ یہی موروثی خصوصیات ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کا ذریعہ جینز (Genes) ہوتے ہیں۔ جدید طبی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ سینکڑوں سال قبل کسی فرد کی کوئی خصلت سینکڑوں سال بعد اسکے نسل میں ظاہر ہو سکتی ہیں۔ نسل در نسل خصوصیات کی

یہ منتقلی حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس علمی نکتے کی طرف درج ذیل حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ جس کے رواۃ ابی ابن ابی رباح ہیں :

"ان النبی ﷺ قال له مالدك ؟ قال یارسول الله ﷺ عسٰی ان یولدلی اماغلام واماجاریة قال ضمن یشبه ؟ قال رسول الله ﷺ عسٰی ان یشبه اما أباه واما امه فقال النبی ﷺ عندها ، مه لاتقولن هکذا ان النطفة اذااستقرت فی الرحم احضرها الله کل نسب بینهما وبین آدمؑ أما قرأت هذه الایة فی کتاب الله فی ایّ صورة ماشآء رکبك (۳)

ترجمہ : نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا : کیا آپ کی اولاد ہے اس نے کہا کہ ممکن ہے میرے ہاں بیٹا یا بیٹی پیدا ہو جائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اسکی مشابہت کس سے ہوئی۔ اس نے کہا یارسول اللہ ﷺ ممکن ہے اسکی شکل باپ پر چلی جائے یا ممکن ہے ماں پر چلی جائے۔ تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اس کو منع فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے رشتے کو حضرت آدمؑ تک سے جوڑ دیتے ہیں۔ پھر فرمایا کیا تم نے کتاب اللہ کی یہ ایت نہیں سنی فی ایّ صورة ماشاء رکبك۔

جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ یوں تحریر کیا ہے :

ان النطفة اذا استقرت فی الرحم احضرها الله کل نسب بینها وبین آدمؑ فرکب خلقه فی صورة من تلك الصور ...... (فی ایّ صورة ماشآء رکبك) ای من نسلك مابینك وبین آدمؑ (۴)

ترجمہ : جب نطفہ رحم میں قرار پاتا ہے تو اللہ اس نطفے کا رشتہ حضرت آدمؑ تک لے جاتا ہے پھر اسکی شکل انہی صورتوں میں سے کسی ایک شکل پر متشکل کر دیتا ہے۔ (فی ایّ صورة الی آخره) سے مراد یہ ہے کہ تمھارا سلسلہ نسل حضرت آدمؑ سے جڑ جاتا ہے۔

حضرت مالکؒ روایت کرتے ہیں : اذا ارادالله ان یخلق النسمة فجامع الرجل المرأة طارمآءة فی کل عرق وعصب منها فاذا کان الیوم السابع احضرها الله کل عرق بینه وبین آدمؑ (۵)

ترجمہ : جب اللہ تعالیٰ کسی روح کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو شوہر بیوی کے ساتھ جامعت کرتا ہے۔ پھر اس کے ہر رگ و پٹھے میں پانی جمع ہو جاتا ہے جب ساتواں دن آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس جوڑے کا رشتہ حضرت آدمؑ تک سے جوڑ دیتے ہیں۔

"قال الحسن والمجاهدفی قول الله تعالیٰ " فی ایّ صورة ماشاء رکبك " ای فی ایّ شبه أبّ اواُمّ او خال او عمّ اما طویلاً واماّ قصیراً امّا حسناً وامّا قبیحاً(۶)

ترجمہ : حسن اور مجاہد"فی ایّ صورة ماشاء رکبك" کے بارے فرماتے ہیں کہ اسکی شکل والد، والدہ، خالہ یا چچا پر جائے گی۔ طویل القامت ہوگا یا کوتاہ قد خوبصورت ہوگا یا بد صورت۔

جدید طبّی تحقیقات نے اس بات کا پتہ چلایا ہے کہ کسی بچے کا بد صورت یا خوبصورت، لمبے یا چھوٹے قد کا اور اس قسم کی دوسری تمام خصوصیات کا انحصار جین (Genes) پر ہوتا ہے اور کسی بچے میں ایک خاص قسم کی خصوصیت کا پایا جانا اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ خصوصیت یا خصوصیات اسکے سابقہ نسل میں کسی فرد میں ضرور موجود تھی، جو نسل در نسل نطفوں میں خوابیدہ حالت میں منتقل ہوتی رہی اور کئی پشتوں بعد کسی فرد میں اپنے آپ کو آشکارہ کرلیتی ہے۔ (۸)

درج بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ والدین میں اگر فی الحال کوئی خاص خاصیت نہیں اور انکے بچے میں کوئی ایسی مخصوص خاصیت ظاہر ہو جائے تو عین ممکن ہے کہ یہ خاصیت اس سے پہلے اسکے نسل میں کسی فرد میں موجود تھی اور نطفوں میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اس بچے میں اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ جینز (Genes) پر کچھ رقم کرنے سے پہلے کروموسوم (CHROMOSOME) کا ایک اجمالی تعارف پیش کرنا ضروری ہے تاکہ جینز (Genes) آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

کروموسومز (CHROMOSOMES)

کروموسوم ہر انسان کے خلیئے کے اندر نیوکلیس میں دھاگے کے مانند اجسام ہوتے ہیں۔ ان کو صرف خلیئے کی تقسیم کے وقت دیکھا جاسکتا ہے۔ جب خلیہ تقسیم کے عمل سے نہیں گزر رہا ہو اور حالت استقرار (INTER PHASE) میں ہو تو خلیئے کے نیوکلیس میں یہ بہت باریک لمبے دھاگوں کی شکل میں پڑے رہتے ہیں۔ کروموسوم جب غیر لچھے دار (UN COILED) بھی دکھائی دیتے ہیں اور اس کو حالت استقرار (INTER PHASE) میں کرومٹین گرے نولز (Chromatin Granules) کہا جاتا ہے (۸)۔ کروموسوم کے غیر لچھے دار حصے کو

ایو کرومٹین (EU CHROMATAIN) کہتے ہیں۔ کروموسوم کے اس حصے پر لگے ہوئے جینز (Genes) تندو تیز اور فعال ہوتے ہیں۔ کروموسوم کا لچھے دار حصہ ہٹرو کرومٹین (Hitro- Chromatain) کے نام سے موسوم ہے۔ اس حصے کے جینز عملی طور پر جامد اور عدیم الفصل (INERT) ہوتے ہیں۔ خلیئے کی تقسیم کے دوران ہر کروموسوم اسکی پوری لمبائی کے ساتھ ایک لچھے کی شکل میں چھوٹی مگر موٹی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اس وقت اسے ایک مائکروسکوپ کے ذریعے آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے۔(۹)

کروموسوم کی اقسام (Type of Chromosomes):

کروموسوم دو متوازی اور ہم شکل کروماٹڈز (CHROMATIDS) کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں کروماٹڈز ایک سکڑی ہوئی جگہ میں آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس کو طبّی اصطلاح میں سنٹرومیئرز (CENTROMERES) کہتے ہیں۔ کروموسوم کو سنٹرومیئرز کی بناء پر مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر سنٹرومیئرز بالکل وسط میں ہو تو اسے میٹاسنٹرک (META CENTRIC) کہا جاتا ہے اور اگر سنٹرومیئرز کروموسوم کے آخری سرے پر واقع ہوں تو اسے ٹیلوسنٹرک (TELO CENTRIC) کا نام دیا گیا ہے اور اگر یہ سنٹرومیئرز کے آخری سرے کے قریب واقع ہوں تو ایکروسنٹرک (ACRO CENTRIC) کہلاتے ہیں۔ لیکن اگر سنٹرومیئرز سرے سے تھوڑا ہٹ کر مگر درمیان میں نہ ہو تو اس صورت میں یہ سب میٹاسنٹرک (Sub Meta Centric) کہلائے جاتے ہیں۔ انسانوں کے تمام کروموسومز میٹاسنٹرک، سب میٹاسنٹرک یا ایکروسنٹرک ہوتے ہیں۔ (۱۰) جو کروموسوم لمبائی میں متوازی ہوں وہ ہومولوگس (Homologus) کہلاتے ہیں۔ جنسی کروموسومز ایکس اور وائی (XY) پر مشتمل ہوتے ہیں۔ عورت کے جنسی کروموسومز ڈبل ایکس (XX) اور مرد کے جنسی کروموسومز (XY) پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایکس کروموسوم عام طور پر لمبا اور وائی چھوٹا ہوتا ہے۔(۱۱)

جینز (GENES) کیا ہوتے ہیں؟:

جینز (Genes) کروموسومز میں تسبیح کے دانوں کے مثل قطار میں پڑی ہوئی ننھی منی مخلوق کا

نام ہے جو خصوصیات (CHARACTERS) کو ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جبکہ چند وائرس (VIRUS) کو چھوڑ کر عام طور پر ایک کیمیاوی سالمے ڈی این اے (Deoxy Ribo Nucleicacid) کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ایک خلیئے میں DNA کے اربوں یونٹ ہوتے ہیں۔

جین کی کیمیاوی ساخت : جین DNA کا وہ حصہ ہوتا ہے جو کہ ایک پیامبر آر این اے (Messenger R.N.A) کے ذریعے پروٹین کے ایک پولی پیپ ٹائیڈ (Polypeptid) کے سلسلے کے کیمیائی عمل (Synthesis) کو باقاعدہ (Regulate) کرتا ہے ۔ مختلف سائنسدانوں نے جین کی تشریح مختلف انداز میں کی ہے لیکن ان میں ولیم بوائڈ (William Boyd) کی تشریح سب سے جامع نظر آتی ہے۔ لکھتے ہیں :

"Genes are bio Chemical Carriers of Biological Information from one Generation to the next"(12)

جین کیمیائی طور پر حیاتیات کی معلومات کا ایک نسل سے دوری نسل میں اشتغال کا ذریعہ ہوتا ہے۔

وراثت کیا ہے ؟ What is Heredity ? : جنیات (Genetics) کے ماہرین نے جین کے حوالے سے وراثت (Heredity) کی درج ذیل تعریف کی ہے۔

"Heredity is the process of the perpetuation of the species" (13)

یعنی "وراثت کسی نوع کے دائمی بقا کے عمل کا نام ہے" ہر انسان ایک انفرادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے اور اسی انفرادیت ہی کی بناء پر ایک انسان دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف رنگ، بول چال، شکل وصورت اور کردار میں بھی ہو سکتا ہے اور ذہنی، جسمانی اور دوسرے کیمیاوی خصوصیات میں بھی۔ ایک ہی ماں باپ سے جنم لینے والے بچے آپس میں ایک دوسرے سے کسی نہ کسی شکل میں مختلف ہوتے ہیں۔ خصوصیات کا یہ اختلاف انسان کو اپنے والدین اور آباء واجداد سے ورثے میں ملتا ہے، جس کو سائنسی اصطلاح میں وراثت (Heredity) کہا جاتا ہے۔ (۱۴) اور انہی موروثی خصوصیات کو ایک فرد سے دوسرے فرد میں یا ایک نسل سے دوسرے نسل میں منتقل

کرنے کاذریعہ جین (Genes) ہوتے ہیں (۱۵)
جین کاموجد ایک آسٹرین پادری اور سکول ٹیچر منڈل (Mendel) تھا۔ جس کو علم نباتات سے بڑا شغف تھا۔ اس نے اپنے معبد کے باغ میں مختلف قسم کے پھلوں اور پھولوں کے پودوں پر تجربات شروع کیے اور انہی تجربات کی روشنی میں اس نے جین کے ذریعے وراثت کے انتقال کا پتہ چلا کر عالمی سطح پر شہرت پائی (۱۶)۔ جین اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کرتے، ہم ترکیب کروموسومز (Homologus Chromosomes) میں ایک ہی طرح کے جینز کو الیلز (Al-leles) کہا جاتا ہے۔ عام طور پر کسی فرد کے مختلف جسمانی اور کیمیاوی خصوصیات کو (Regu-late) کرنے والے یہی (Allelic Genes) ہوتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ جب یہ الیلک جین ایک خاص قسم کی خاصیت کو ریگولیٹ کرنا چاہے جس میں دونوں جینز لمبے قد یا دونوں جینز چھوٹے قد کے خاصیت کے حامل ہوں تو اس قسم کے جینز کو ہوموزائکس (Homozy-gous) کہتے ہیں اور اگر یہ مختلف سمتوں میں کام کرتے ہوں مثلاً ایک جین لمبا اور دوسرا چھوٹا ہو تو اس صورت میں اس کو مختلف النسب یعنی ہٹروزائگس (Hitrozygous) کہا جاتا ہے۔ ایک انسانی کروموسوم میں جینز کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے (۱۷)۔

جینز کی اقسام (Type of Genes) : (ا)۔ غالب جین (DominetGene)
اس قسم کا جین اپنی خصوصیات کو فی الفور ظاہر کرتا ہے۔ قد کا لمباپن عام طور پر غالب جین کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔ لمبے قد کا ایک آدمی (جس کے جین میں لمبے پن اور چھوٹے پن دونوں کے خصوصیات موجود ہوں) اگر ایک ایسی عورت سے شادی کرلے، جس کے جین کے خصوصیات بھی مرد ہی کی طرح ہو تو پھر انکے ہاں پیدا ہونے والے چار بچوں میں سے ایک چھوٹے قد کا اور تین لمبے قد کے پیدا ہونگے۔ لیکن ان تین بچوں میں بھی ایک بچے کے جینز تو مکمل طور پر لمبے پن کے ہونگے باقی دو بچوں کا قد لمبا تو ہوگا لیکن وہ چھوٹے اور لمبے قد کی نسبت 3:1 ہوگی۔ تاہم جینی خصوصیات کے حامل ہونے کے لحاظ سے بچوں کی نسبت 1:2:1 ہوگی۔ یعنی ایک مکمل لمبا ایک مکمل چھوٹا اور دو میں چھوٹے پن کے خصوصیات کے حامل جینز (Carrier Genes) ہونگے۔ (۱۸)

اسی طرح رنگوں کا اظہار بھی غالب جینز کے ذریعے دوسرے نسل میں منتقل ہوتی ہیں۔ منڈل نے اپنے باغ میں زرد اور سبز رنگ کے پودوں کے جینز کو آپس میں ملایا توان مین زرد رنگ سبز رنگ پر غالب رہااور انکی نسبت بھی تقریباً یہی نسل 3:1 تھی۔ زرد رنگ اور سبز رنگ کے پھولوں کے جینز ملانے کے بعد پہلی نسل میں توسب رنگ بالکل غائب رہااور جب اس نسل کے بیج کو دوبارہ کاشت کیا گیا تو دوسری نسل میں کل 8023 بیجوں کے پودے اگائے گئے ان میں 6022 پودے مکمل طور پر زرد رنگ کے پھول والے اور 2001 پودے سبز رنگ کے حامل ہوگئے (۱۹)۔

(۲)۔ خوابیدہ جین (Recessive Gene) : اس قسم کے جینز کی خصوصیات کا انتقال (Transmission of Traits) غالب جینز سے مختلف ہوتا ہے۔ مختلف النسب (Hetro Zygous) والدین ہم ازدواجیہ (Homo Zygous) بچے پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ بچے مشابہ الخصائص (Pheno Typically) متاثر ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی خاندان میں مسلسل شادیوں سے اس قسم کے مخصوص خصوصیات کے حامل بچے مزید پیدا ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔ (۲۰)۔ خوابیدہ جینز کی پشتوں بعد کسی فرد میں ظاہر ہو کر کسی خاص خاصیت کا اظہار کردیتی ہے۔

(۳)۔ کیریئر جین (CARRIER GENES) : مختلف النسب خوابیدہ جینز (Hetro Zygous Recessive Genes) ایک کیریئر جین کے طور پر بھی کام کرتے ہیں۔ مثلاً لمبے قد کا حامل جینز کا انسان (T:S) چھوٹے قد کی خصوصیات کا حامل (Carrier) بھی ہوتا ہے۔ اور یہ کئی پشتوں بعد اسکے خاندان کے کسی فرد میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح موروثی بیماریاں بھی اسی قسم کے جینز کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں۔ مثلاً ہیمو فیلیا (Haemophilia) نامی بیماری ایک خاتون کے خوابیدہ جینز کے ذریعے منتقل ہوتی ہے۔

(۴) جنس سے متعلقہ جینز (SEX LINKED GENES) : جنسی کروموسومز (YX) میں جنسی خصوصیات کے علاوہ عام کروموسومز (Autosomes) کی طرح جسمانی خصوصیات کے جینز بھی ہوتے ہیں۔ (۲۱)۔ اس قسم کے جنسی کروموسومز کے ذریعے جسمانی خصوصیات کے

انتقال کے حامل جینز کو (Sex Linked Genes) کہتے ہیں۔(۲۲)

جینی علوم کی اہمیت (IMPORTANCE OF GENTICS):

دور جدید میں جنیات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ میڈیکل سائنس میں جینی علم بیماریوں کی اصل وجوہات جاننے میں بڑا مددگار ثابت ہوتا ہے۔ موروثی بیماریوں کو جینی علم ہی کے ذریعہ کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ کسی خاص خاندان میں کوئی خطرناک موروثی بیماری کے بارے میں جینی علم کے ذریعے پتہ چلا کر اسے مزید پھیلنے سے روکا جاسکتا ہے یا اسکا علاج دریافت کیا جاسکتا ہے۔(۲۳)

دفاعی جنیات (IMMUNO GENETICS):

امیونٹی (Immunity) سے مراد جسم کی وہ قوت مدافعت ہے جسکی بناء پر جسم کا دفاعی نظام اپنے جسم کے مالیکیولز پہچانتا ہے اور پرائے مالیکیولز (Non Self) کو اپنوں سے الگ کرکے انہیں تباہ کردیتا ہے۔ دفاعی جنیات ہی کی بناء پر جسم میں باہر سے داخل ہونے والے بیرونی عنصر انٹی جن (Antigen) کے خلاف ضد جسم (Anti Body) بناتا ہے جو کہ ایک خاص انٹی جن کو پہچان کر اسے ہمیشہ کیلئے اپنے حافظے (Memory) میں ریکارڈ کرلیتی ہے اور آئندہ کیلئے جب بھی اسی قسم کا بیرونی عنصر جسم میں داخل ہوجاتے تو جسم کا دفاعی نظام اسے پہچان کر اسے ختم کردیتے ہیں۔(۲۴)۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ دفاعی جنیات کا نظام تقریباً دس لاکھ انٹی باڈیز بناتا ہے اور یہ دس لاکھ اتنے ہی انٹی جن (Antigen) کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جینز ذہانت کے انتقال میں بھی بہت اہم رول ادا کرتی ہے۔ تجربات سے پتہ چلا ہے کہ کسی خاص خاندان میں اعلیٰ ذہانت کے افراد کا پایا جانا اس خاندان میں ذہانت کی مخصوص جینز کا پایا جانا ہوتا ہے۔ اسی طرح ذہنی معذوری کا وجہ بھی کسی خاندان میں خاص قسم کے جینز کے پائے جانے کی بناء پر ہوتی ہے۔(۲۵)۔ الغرض جینز میں انسان کی آئندہ کی پوری زندگی کی منصوبہ بندی پہلے سے اسکے DNA کے حافظے میں محفوظ پڑی رہتی ہے۔ جین کا ڈی این اے جسکو ایک عام خوردبین سے دیکھا بھی نہیں جاسکتا اس میں انسانی زندگی کے مستقبل کے بارے میں تمام قسم کے معلومات کا انتا بیش بہا عظیم ذخیرہ محفوظ کر اللہ کی قدرت کاملہ کا عظیم کرشمہ ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس نظر نہ آنے والی مخلوق

(جینز) کے اندر آئندہ سینکڑوں سالوں میں رونما ہونے والے واقعات کے اتنے محفوظ ریکارڈ پر غور کرتا ہے تو لامحالہ اسکی نظر قرآن کریم کی اس ایت کی طرف ملتفت ہو جاتی ہے۔

ربنا الذین اعطیٰ کل شئی خلقه، ثم هدی (۲۶)

ترجمہ: ہمارا رب وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو (اسکی مناسب حال) صورت عطاء کی۔ پھر اس کو (اسکی صورت کے مناسب حال) راہ سمجھائی۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"واتقوا الذی خلقکم والجبلة الاولین "(ترجمہ) :اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور جس نے پہلی خلقت (کو بھی) بنایا۔ اس ایت میں لفظ "جبلت "قابل توجہ ہے۔ "جبلہ "کا لفظ جبل سے ماخوذ ہے اور اسی سے جبلہ ہے جسکے معنی ہیں ودیعت کرنا، ڈالنا، بنانا وغیرہ۔ یہ لفظ خلقت اور فطرت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے جبلہ علی الکریم یعنی کرم اور شرافت اسکی فطرت میں رکھی گئی ہے۔ جبلۃ علی الخیر سے مراد ہے اسکی سرشت میں خیر اور بھلائی ہے (۲۸)۔ جبلۃ الاولین سے مراد پہلی خلقت ہے جو جماعت کسی خاص فطرت کا مالک ہو وہ ان کی جبلت ہے۔ (۲۹)۔ درج بالا تمام معنوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر جینز کی ساخت اور ماہیت پر غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ یہ دونوں الفاظ (جبلت اور جینز) تقریباً قریب المعنی ہیں۔ اس لحاظ سے یہاں اگر جبلۃ الاول سے جینز کے اندر سینکڑوں سال قبل سے محفوظ خصوصیات (Recorded Characters) مراد لئے جائیں، تو اس ایت کے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس لئے ایک لحاظ سے جبلت اور جینز ایک ہی حقیقت کے دو نام شمار کئے جا سکتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں لفظ وارث / وراثت سے کیا مراد ہیں؟ : وراثت کا لفظ قرآن کریم میں کئی جگہوں پر استعمال کیا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے دعا کے حوالے سے یوں ارشاد ہوا ہے۔ وانی خفت الموالی من --- وکانت امراتی عاقراً فهب لی من لدنك ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب (۳۰) (ترجمہ) :اور میں اپنے پیچھے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں، اور میری عورت بانجھ ہے۔ سو تو مجھ کو اپنی طرف سے ایک کام اٹھانے والا بخش دے۔ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں اس ایت میں وارثت سے مراد مالی نہیں

ہے۔ کیونکہ انبیآءؑ کے ہاں مال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ انکی وراثت علم ہوتی ہے جوکہ ایک خاصیت (Trait) ہوتی ہے۔(۳۱)۔بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں "ویرث من آل یعقوب " میں "من" تبعیض کیلیئے ہے۔لہذا اس ایت کے معنی پھر یوں ہونگے۔

"اے اللہ میرے بیٹے میں کچھ خصلتیں میری اور کچھ خصلتیں آل یعقوب کی پیدا فرما، یعنی اس کو میرے اور آل یعقوب کے خصوصیات (Traits) کا وارث بنا۔(۳۲)۔ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے : ولقد اتینا داؤد و سلیمن علماً ...... وورث سلیمٰن داؤد ...... (۳۳)

ترجمہ :اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا کیا تھا......اور سلیمانؑ داؤدؑ کا قائمقام (وارث) بنا۔

اس ایت کے ابتداء میں دونوں پیغمبروں کی علمی برتری کا تذکرہ کیا گیا ہے گویا ایت کا آخری حصہ "وورث سلیمان داؤد" اس علمی برتری کا وارث بننے کے نشاندہی کرتا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ ،داؤدؑ کے علمی خصوصیات کا وارث بنا(۳۴)۔

انبیآءؑ چونکہ مال و دولت وراثت میں نہیں چھوڑتے ،بلکہ ان کا ورثہ علم اور اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں۔اس لئے ان دونوں آیات میں وارثت سے یہی علم، نبوت، شرافت، صداقت اور اس قسم کے دوسرے اخلاق فاضلہ مراد ہیں۔(۳۵)۔ارشاد نبوی ﷺ ہے :

انا معاشرالانبیآء لانورث ماترکنا فھو صدقة(۳۶)

ترجمہ : ہم انبیاءؑ کی جماعت مال ترکہ میں نہیں چھوڑتے جو کچھ ہمارے بعد رہ جائے وہ صدقہ ہے۔

لغت میں وارث کا لفظ ورث سے ماخوذ ہے اور اسکے معنی ہیں :(۱) تازہ چیز، نئی چیز (۲) ورثت ابی سے مراد ہے : میں اپنے والد کے مال اور مجد کا وارث بنا(۳۷)۔(۳) توارث المجد کابرا عن کابرِ (۳۸) یعنی انہوں باپ دادوں سے شرافت پائی۔ حدیث میں وارث کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اللھم متعنا باسماعنا وابصارنا وقواتنا (قوتنا) مااحییتنا واجعلہ الوارث منا۔۔۔ (۳۹)

ترجمہ :اے اللہ جب تک ہم زندہ رہے ہمیں اپنی سماعت بصارت اور دوسرے قوتوں سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما۔ اور ان کو ہمارا وارث بنادے۔ گویا انسان ہر وقت یہ دعا کرتا رہے کہ میرے والدین کی تمام اچھی صفات میری پوری زندگی میں نظر آتی رہے، کیونکہ والدین اور بچوں کا

رشتہ والدین کے خصوصیات ہی کے ذریعے بچوں سے جڑا رہتا ہے۔ اس حدیث میں والد کا مقام بحیثیت فاعل (Inheritor) اور بیٹے کا مقام بحیثیت مفعول (Inherited) ہوتا ہے۔ اس حدیث میں اگر "واجعلہ" میں ضمیر منسوب متصل کو "متعنا" کی طرف راجع کریں، جس پر متعنا دلالت کرتا ہے۔ من قبیل اعدلواھو قرب للتقویٰ۔ تو مفعول اول یہی ضمیر "ہ" ہو جائے گا۔ اور مفعول ثانی کلمہ "الوارث" بن جائے گا یعنی باقی رہنا پیچھے آنا، قائمقام بننا (۴۰)۔ اس لحاظ سے یہاں الوارث ان غالب جینز (Dominent Genes) کی نشاندہی کرتا ہے، جو باپ سے بیٹے میں فوراً منتقل ہو جائیں۔ کیونکہ غالب جینز عام طور پر پہلی ہی پشت میں ظاہر ہوتے ہیں اور انسان وارث تب ہی بنتا ہے جب باپ کے مرنے کے فوراً بعد اس کے مال کا وارث (مالک) بن جائے۔ کیونکہ دوسرے یا تیسرے پشت میں کسی کو کسی کا وارث نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے فوراً بعد اسکی خصوصیات اسکی پہلی پشت میں ظاہر ہو جائیں، تاکہ اسکی پہلی ہی پشت اسکی خصوصیات کا وارث بنے۔ جہاں تک خوابیدہ خصوصیات کے حاصل جینز (Recessive Genes) کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ایک دوسری حدیث شریف میں ان خوابیدہ جینز کے بارے میں اشارہ ملتا ہے جس میں ایک خوبصورت میاں بیوی کے ہاں کالے رنگ کا بیٹا پیدا ہوا اور باپ نے بیٹے کو صرف اس بناء پر اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس بچے کا رنگ ماں باپ میں سے کسی پر نہیں گیا تھا۔ یہ حدیث حضرت ابو ھریرہؓ کی روایت سے کچھ یوں ہے:

ان رجلاً اتی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ ﷺ ولدلی غلام اسود فقال ھل لک من ابل قال نعم قال ماالوانھا قال حمرقال فیھامن اذرق؟ قال نعم قال فانی ذالک قال لعلہ، نزعہ عرق قال فلعل ابنک ھذا نزعہ (۴۱)۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے ایک کالے بچے کو جنم دیا ہے (جو کہ میرے نطفہ سے نہیں ہو سکتا) آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمھارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ انک رنگ کیسے ہیں؟ کہنے لگا سرخ۔ پیغمبر ﷺ نے پھر پوچھا، کیا ان میں کوئی سیاہی مائل کے رنگ کا کوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا۔ اس نے یہ رنگ کہاں سے حاصل

کیا؟ اس نے کہا شاید اس کو یہ رنگ اپنے آباواجداد سے وراثت میں ملا ہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ممکن ہے آپ کے بیٹے نے بھی یہ رنگ اپنے آباواجداد سے حاصل کیا ہو۔ یہ حدیث شریف صاف طور پر خوابیدہ خوبصورت کے حاصل جینز (Recessive Genes) کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس صحابی کے آباواجداد میں کئی پشت پہلے ضرور کوئی کالے رنگ کا شخص گزرا ہوگا۔ اور اس کا یہ کالا رنگ خوابیدہ جینز کے ذریعہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس بچے میں نمودار ہوا۔

قرآنی آیات اور درج بالا دونوں احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں بہت سارے ایسے سائنسی حقائق کے اشارے ملتے ہیں جن کا تعلق انسانی جینز سے ہوتا ہے اور جو صرف اس صدی میں منکشف ہوئے۔ آج سے چند سو سال قبل کوئی جینز کے بارے میں ایسے کچھ بھی نہیں جانتا تھا لیکن قرآن وحدیث نے جینز کے بارے میں ایسے واضح اشارات دیئے جس نے اس صدی کے سائنسدانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ جدید طبّی اصطلاح میں جنین (Embryo) کے مستقبل کے پہلے سے طے شدہ پروگرام (Pre Determined) کو اچھی جینز کہا جاتا ہے جبکہ اسلامی اصطلاح میں اس کو "تقدیر" کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے۔

حوالاجات REFERENCES

(۱) قرآن کریم عبس 80:17-19 (۲) (الف) الصحاح للجوہری زیر لفظ قدر، دارالفکر، بیروت لبنان (ب) لسان العرب، علامہ ابن منظور زیر لفظ قدر، نشر أدب الحوزہ قم ایران ۱۴۰۵ھ (۳) تفسیر الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ) دارالمعارفۃ بیروت جلد ۳۰، ص: ۵۵ (۴) الدرالمنثور فی تفسیر الماثور، جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) قم، ایران ۱۴۰۴ھ ج: ۶، ص: ۲۳۳ (۵) حوالہ نمبر ۴ (۶) ایضاً حوالہ نمبر ۴

(۷) دیکھئے Human Genetics (Novitskoi Mac Millan Publishing Co: New york 1977, P:30

(۸) دیکھئے حوالہ نمبر ۷، ص: ۱۷۸، ۱۷۹

(۹) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (مائیکرو) زیر لفظ "CELL" (۱۰) دیکھئے: (الف)

(i). Text book of pharmacology (w.c. Bowman) oxford press 1971 Under the heading "Genetics Terminologies"

(ii). Genetics (Jenking J.B) Houghton Mifflin, Bostan 1975, PP:6-15

(۱۱) دیکھئے حوالہ نمبر ۷، ص: 93-92 (۱۲) دیکھئے: Text book of pathology

(W.Boyd) Philadelphia, 1977, Vol:I , P:497

(۱۳) دیکھئے: Text book of pathology Walter and Israel), oxford University

Press. See under " Genetics" (۱۴) دیکھئے: Human Genetics (Winches-

(۱۵)ter), Chorles E. Merrill Publishing Co, Columbus, 1983, PP:49-59

دیکھئے حوالہ نمبر ۷ (۱۶) دیکھئے حوالہ نمبر ۹ زیر عنوان Mendel اور Genetics (۱۷) دیکھئے: Genetics

(H.W Farnsworth) Harper nad Row Publishers, New york, 1988,

PP:14-19 (۱۹) دیکھئے: Experiments in plant Hybridization (Mendel.G)

Translated in classic papers in Genetics, 1959. (۲۰) دیکھئے: Text of

pharmacology (Bowman) Black well scientific publications, offord,

1971, PP:4-20 (۲۱) دیکھئے: حوالہ نمبر ۹، زیر عنوان "AUTOSOMES" (۲۲) دیکھئے: حوالہ نمبر 7،

ص: 110,102-97 (۲۳) دیکھئے حوالہ نمبر ۹، زیر عنوان: "Human Genetics" (۲۴) دیکھئے حوالہ نمبر

14، ص: 113-112 (۲۵) دیکھئے حوالہ نمبر ۹ زیر عنوان: "Human Genetics" ایضاً حوالہ نمبر ۷،

ص: 293-284 (۲۶) طٰہٰ 20-50 (۲۷) الشعرآء: 26-184 (۲۸) (الف) المنجد، لوئس مألوف دارالاشاعۃ

کراچی (۱۹۷۵ء) زیر لفظ جبل (ب) ایضاً حوالہ نمبر ۲ (ب) زیر لفظ "جبل" (۲۹) تفسیر کبیر، امام الفخر الرازی (۶۰۶ھ)

مکتبہ عبدالرحمٰن محمد، الجامع الازہر قاہرہ طبع سوم سورۃ الشعرآء 26-184 (۳۰) سورۃ مریم 19-6 (۳۱) تفسیر الطبری

جلد=16 ص: 37 (۳۲) تفسیر الکشاف امام محمود بن عمر الزمخشر (۵۲۸ھ) طبع اول ۱۹۴۶ء قاہرہ جلد: 2، ص: 503

(۳۳) النمل 28:15-16 (۳۴) تفسیر ابن کثیر حافظ عمادالدین ابن کثیر (۷۷۴ھ) طبع کراچی سورۃ مریم 19:5

(۳۵) دیکھئے حوالہ نمبر ۴ ایضاً حوالہ نمبر ۳۲ متعلقہ آیات (۳۶) (الف) صحیح بخاری محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)

سعید کمپنی کراچی کتاب الجہاد باب نفقۃ النسآء النبی بعد وفاتہ (ب) مسند احمد، امام احمد بن حنبل دارالفکر بیروت لبنان جلد 1،

ص: 9,6,4 ایضاً جلد 2 ص: 224 (۳۷) دیکھئے حوالہ نمبر ۲ (ا، ب) زیر لفظ "ورث" (۳۸) ایضاً حوالہ نمبر 2، تاج

العروس، مرتضیٰ الزبیدی (۱۲۰۵ھ) دارالفکر للطباعۃ والنشر بیروت زیر لفظ "ورث" (۳۹) (الف) الجامع السنن حافظ ابی

عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (۲۷۹ھ) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ابواب الدعوات باب قلما کان رسول اللہ ﷺ یقوم من

مجلس (ب) مستدرک للحاکم باب الدعوات (۴۰) حاشیہ سنن ترمذی ابواب الدعوات کما ذکرنا (۴۱) صحیح بخاری کتاب

الطلاق باب عرض بغی الولد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
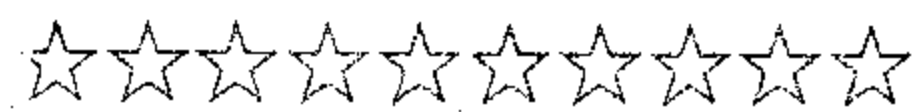
دار العلوم کے شب و روز

شفیق الدین فاروقی

دار العلوم کے نئے تعلیمی سال ۲۰۔ ۱۴۱۹ھ کے داخلوں کا شیڈول :

۲۳ دسمبر کو دار العلوم میں نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب مد ظلہ کی سرپرستی میں دار العلوم کے اساتذہ اور عملہ کا ایک اجلاس دفتر اہتمام میں منعقد ہوا اور اس میں آئندہ نئے تعلیمی سال کے داخلوں کے بارے میں درج ذیل فیصلہ ہوا۔

(درس نظامی)

☆ دورحدیث شریف کے داخلے : (یکم فروری بروز پیر تا ۸ فروری ۹۸ء)

☆ درجہ مؤقوف علیہ : بدھ ۳ فروری تا ۸ فروری ☆ درجہ تکمیل : جمعرات ۴ فروری تا ۸ فروری ☆ درجہ سادسہ : ہفتہ ۶ تا ۸ ☆ درجہ خامسہ : ہفتہ ۶ تا ۸ ☆ درجہ رابعہ : اتوار ۷ ☆ درجہ ثالثہ : پیر ۸ ☆ درجہ ثانیہ : منگل ۹ ☆ درجہ اولیٰ : منگل ۹ ☆ درجہ متوسطہ : منگل ۹

دار العلوم کے نئے تعلیمی سال کا باضابطہ آغاز :

انشاء اللہ دار العلوم کے تعلیمی سال (۲۰۔۱۴۱۹ھ) کا آغاز بروز بدھ ۱۰ فروری سے ہوگا۔

شعبہ حفظ : درجہ حفظ میں داخلہ کے خواہشمند طلباء کی درخواستیں 20 رمضان سے 10 شوال تک دفتر اہتمام میں جمع کی جائینگی۔ حفظ کے خواہشمند طلباء ٹیسٹ اور انٹرویو وغیرہ کیلئے مورخہ 11 فروری بروز جمعرات صبح کو دار العلوم تشریف لائیں۔

درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء : درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کیلئے درخواستیں یکم فروری سے 10 فروری تک وصول کی جائینگی۔ امتحانی ٹسٹ 13 فروری بروز ہفتہ ہوگا۔ (نوٹ) : درجہ تخصص میں داخلہ لینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وفاق المدارس سے درجہ عالمیہ میں کامیاب ہو کر ممتاز یا کم از کم جید جدا کی پوزیشن حاصل کی ہو۔ نیز اردو و عربی زبانوں پر بھی مکمل عبور حاصل ہو۔

نوٹ : ملکی ابتر اقتصادی حالات کی وجہ سے ہر شعبہ میں داخلہ اس سال محدود ہوگا۔ اس لئے اوقات مقررہ کے بعد آنے والے طلباء کو کسی بھی درجہ میں داخلہ نہیں دیا جائیگا۔

دارالعلوم میں حسب سابق بین الاقوامی پریس کے نمائندوں کی آمد :

عراق پر امریکی جارحیت کے بعد بین الاقوامی شہرت کی حامل نیوز ایجنسی "رائیٹر" کے نمائندوں نے دارالعلوم آکر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سے امریکی جارحیت، افغانستان کی تازہ صورتحال، ملکی اور عالم اسلام کی سیاست پر تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اسی طرح امریکہ کے بہت مشہور اور معروف اخبار "واشنگٹن پوسٹ" (Washington Post) کے بیورو چیف TIM WEINER نے بھی دارالعلوم کا دورہ کیا اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ سے طالبان اور پاکستانی سیاست پر مولانا کا مؤقف دریافت کیا۔ اور ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس سے قبل ٦۔ نومبر کو بین الاقوامی شہرت کے حامل ٹی وی چینل سی این این (CNN) نے حضرت مولانا مدظلہ کا انٹرویو ٹیلی کاسٹ کیا۔ مولانا کا یہ انٹرویو عظیم مجاہد، عالم اسلام کے ہیرو اسامہ بن لادن پر مبنی پروگرام میں شامل تھا۔ اسی طرح یہ انٹرویو انٹرنیٹ پر بھی کروڑوں ناظرین نے دیکھا۔

تعطیلات کے باوجود دارالعلوم کی علمی وروحانی رونقیں بحال : اس سال بھی حسب سابق الحمدللہ حضرت شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ کے دورہ تفسیر کی وجہ سے طلباء کی ایک کثیر تعداد دارالعلوم میں موجود ہے۔ دورہ تفسیر میں تقریباً سات سو طلباء شریک ہیں اور ایک بڑی تعداد کو دارالعلوم کی اقتصادی اور مالی مشکلات کی وجہ سے داخلہ نہ مل سکا۔ اور اس کے ساتھ شعبہ حفظ و تجوید اور شعبہ تعلیم القرآن حقانیہ ہائی سکول اور وسط ایشیاء کی ریاستوں کے طلباء بھی اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ جس کی وجہ سے دارالعلوم میں تعطیلات والی فضاء محسوس نہیں ہوتی۔ اور دارالعلوم کی رونقیں بدستور بحال ہیں۔ دارالحفظ کے چھوٹے حفاظ کرام دارالعلوم کی جامع مسجد میں اس سال بھی حسب سابق شبینہ میں ختم قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا محمد ابراہیم فانی صاحب

مشمولات قرآن عظیم۔ مؤلف : جنرل محمد نواز ملک (ریٹائرڈ) ضخامت : ۹۵۲ صفحات
قیمت : /۲۵۰ روپے۔ ملنے کا پتہ : ادارہ فکر فروغ قرآن۔ ۷ ۱۱۔ ویسٹرج نمبر ا پشاور روڈ راولپنڈی

کتاب زندہ یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ کلام اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی حقانیت پر برہان قاطع اور آپ کا ایک دائمی معجزہ ہے اور اس فرقان حمید کی مختلف زاویہ نگاہ سے جتنی خدمت کی گئی ہے۔ آج تک تاریخ عالم اس کی مثال سے عاجز و قاصر ہے۔ زیر نظر کتاب مشمولات قرآن عظیم بھی اسی قرآنی خدمت کی ایک کڑی ہے جس میں مرتب نے ایک خاص انداز سے قرآن پاک کا اشاریہ تیار کیا ہے جو کہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک منفرد کوشش اور بہترین کاوش ہے اس کتاب میں جس بات کا التزام کیا گیا ہے وہ بقول مرتب "قرآن میں مذکور کسی موضوع کے ہر پہلو کو سمجھنے کیلئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر موضوع پر تمام آیات کو یکجا کر لیا جائے اور پھر ان پر سیاق و سباق کی روشنی میں غور کیا جائے چنانچہ اس کتاب میں مستقبل کے ہر غوطہ زن کیلئے یہ آسانی پیدا کی گئی ہے کہ قرآن میں ۱۳۳۲ موضوعات کو ترتیب وار یکجا کر کے ہر موضوع کی متعلقہ آیات کو لکھ دیا گیا ہے اس کے بعد اہم موضوعات کی انہی آیات سے اخذ کردہ اہم پہلو بھی بیان کر دیے گئے ہیں "۔ آپ کی یہ گرانقدر تالیف مختلف عنوانات کے تحت تیار کی گئی ہے فہرست مشمولات کے تین حصے ہیں پہلا حصہ عنوانات بہ ترتیب حروف تہجی۔ اس کا آغاز لفظ اللہ سے کیا گیا ہے اور اس کے تحت پھر ذیلی عنوانات ہیں۔ دوسری فہرست میں کتاب میں مذکورہ شخصیات کے واقعات کا اشاریہ ہے۔ تیسری فہرست میں عنوانات کو ان کے الفاظ کے مادہ کے مطابق دیا گیا ہے۔ میجر صاحب کی یہ کاوش آپ کیلئے نہ صرف توشہ آخرت ہے بلکہ انشاء اللہ علمی دنیا سے بھی داد ضرور پائے گی اور یقیناً علوم قرآنیہ کے متعلق یہ ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

احسن البیان فی تفسیر القرآن (حصہ چہارم) مرتب : مولانا سید فضل رحمان صاحب مدظلہ
صفحات : ۴۶۲۔ قیمت : /۱۵۰ روپے۔ ناشر : زوار اکیڈمی پبلی کیشنز اے ۴/ ۷ ناظم آباد ۴، کراچی نمبر ۱۸

زیر تبصرہ کتاب احسن البیان فی تفسیر القرآن کا چوتھا حصہ ہے۔ چونکہ اس کے ابتدائی حصے

ہمیں نہیں بھیجے گئے ہیں، تاکہ اسکے ابتدائیہ سے مرتب کے التزام کا پتہ چلتا۔ زیر نظر حصہ چہارم سورۃ انفال سے سورۃ رعد تک کی آیات کی تشریح و تفسیر پر مشتمل ہے۔ آسانی کی خاطر ابتداء میں فہرست عنوانات بھی دی گئی ہے جس سے مطلوبہ مقام کی تلاش میں دقت پیش نہیں آتی۔ کتاب کے مطالعہ سے بات واضح ہوتی ہے کہ مرتب نے انتہائی سلیس اور عام فہم انداز میں قرآنی علوم و معارف شائقین علوم قرآنیہ کے سامنے پیش کئے ہیں۔ ہر سورت کی ابتداء میں اسی سورۃ کی وجہ تسمیہ تعارف اور شان نزول جیسے اہم موضوعات ہیں۔ اسکے بعد ہر رکوع کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے۔ مستند اور معتبر تفاسیر کے حوالہ جات اور دلنشین تشریحات نے اس تفسیر کی افادیت میں مزید اضافہ کیا ہے۔ یقیناً یہ تفسیر علوم قرآنیہ کے متعلق ایک اہم اضافہ ہے اور معنوی حسن کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی کتاب انتہائی دلکش ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
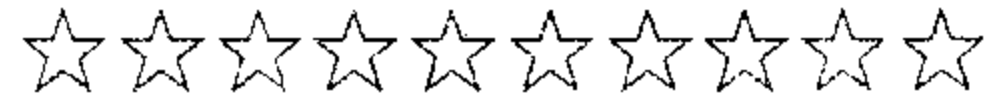
مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے خلفائے کرام۔ مرتب: ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن

ضخامت: ۲۱۲ صفحات۔ قیمت: درج نہیں۔ ملنے کا پتہ: مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی

زیر تبصرہ کتاب میں محترم قاری صاحب نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلفاء اور اجل مسترشدین کے حالات اور مکمل سوانح یکجا کئے ہیں۔ مولانا تھانویؒ کی شخصیت گوناگوں صفات کی حامل تھی وہ بیک وقت ایک جلیل القدر محدث بھی تھے اور عظیم مفسر بھی بہترین واعظ بھی تھے اور قادر الکلام مقرر متکلم عصر بھی تھے اور فیلسوف وقت بھی، حافظ قرآن بھی تھے اور جید قاری بھی حکیم بھی تھے اور ماہر طبیب بھی' بلند پایہ مصنف بھی تھے اور شاعر و ادیب بھی، جامع شریعت بھی تھے او صاحب طریقت بھی وہ قطب الاخطاب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے محبوب خلفاء میں سے تھے اور کچھ ایک دنیا ان سے مستفید ہوئی آپ کے خلفاء مجازین کی تعداد ایک سو اور مجازین صحبت کی تعداد ۶۹ ہے، مگر اس کتاب میں ان سے صرف ۶۰ حضرات کے تذکروں پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب قاری صاحب کی ان کاوشوں کا ثمر ہے جو کہ آپ سوانح نگاری اور سوانح نویسی کے حوالے کر رہے ہیں' ایک عرصہ سے تسلسل کے ساتھ آپ جانفشانی سے یہ کام سرانجام دے رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان کوششوں کو قبولیت دوام بخشے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆